حنا کی مہک

''سنو خولہ، تم اپنے باپ کے پاس چلی جاؤ۔'' ممی بہت سنجیدگی سے اسے مشورہ دے رہی تھیں۔

''دیکھو، میں یہ تمہارے بھلے کے لیے کہہ رہی ہوں تمہارا باپ بڑا آدمی ہے اور اب جبکہ تم ایف۔ ایس۔ سی میں شاندار نمبر لے ہی آئی ہو تو تمہیں میڈیکل میں ضرور جانا چاہیے اور تم جانتی ہو میں تمہاری میڈیکل کی تعلیم افورڈ نہیں کر سکتی۔ جب کہ تمہارے باپ کے لیے یہ کوئی مسئلہ نہیں۔ آخر وہ اپنے دوسرے بچوں کو بھی تو اعلیٰ اسکولوں میں پڑھا رہا ہے۔ میں نہیں چاہتی بیٹا کہ وسائل کی کمی تمہاری راہ میں رکاوٹ بنے۔ تمہاری بہتری کا سوچ کر ہی میں نے تمہیں تمہارے باپ کے پاس بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے۔'' ذرا توقف کے بعد پھر کہنے لگیں۔

''اب میں سمجھتی ہوں۔ تم نہ صرف بڑی بلکہ سمجھدار بھی ہو گئی ہو۔ تمہارے اندر یہ خوف نہیں ہونا چاہیے کہ سوتیلی ماں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرے گی۔ اول تو وہ تمہیں کچھ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتی۔ پھر بھی اگر کوئی بات ہو جائے تو تم منہ توڑ جواب دے سکتی ہو۔ میرا خیال ہے کہ تم اس کی اولاد سے زیادہ ذہین ہو۔ جبھی میں چاہتی ہوں تم وہاں رہ کر اپنی تعلیم کو بہتر طریقے پر جاری رکھو۔''

''ممی! میں یہاں رہ کر بھی تو پڑھ سکتی ہوں ڈیڈی سے کہہ دوں گی میرا خرچ بڑھا دیں۔'' ممی ذرا دیر کو رکی تھیں کہ وہ بول پڑی۔

''کتنا خرچ بڑھائیں گے وہ۔ سو دو سو یا زیادہ سے زیادہ پانچ سو۔''

"پانچ سو کم تو نہیں ہوتے۔"

"بہت زیادہ بھی نہیں ہوتے۔ میرا خیال ہے اگر تم اپنے باپ کی نظروں کے سامنے رہو گی اور پھر اسے اندازہ ہو گا کہ تم کتنی ذہین ہو تو وہ تمہاری تعلیم پر ہزاروں خرچ کرنے سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔ کیونکہ میں جانتی ہوں کہ اس کے نزدیک سب سے زیادہ اہمیت تعلیم کی ہے۔ وہ خود بہت پڑھا لکھا آدمی ہے۔ تعلیم اور اس کی ضروریات کو اچھی طرح سمجھتا ہے۔"

"تو یہ سب یہاں رہ کر بھی تو ہو سکتا ہے۔"

یہاں رہ کر بہتر طریقے پر نہیں ہو سکتا۔ سال میں چھ مہینے تو تمہارا باپ باہر رہتا ہے۔ ایسی صورت میں اسے یاد نہیں رہے گا کہ تمہیں تمہارے خرچ کا علاوہ فاضل رقم بھیجے۔"

وہ کچھ نہیں بولی اور اسے خاموش دیکھ کر ممی پھر کہنے لگیں۔

"دیکھو بیٹا! میں نہیں چاہتی کہ اس ڈائن کی اولادیں تم سے آگے نکل جائیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ تمہاری طرح ذہین نہیں ہوں گی۔ تو کیا یہ تم پر ظلم نہیں ہو گا کہ وسائل کی کمی کا شکار ہو کر ان سے پیچھے رہ جاؤ۔"

"ممی! میرے جانے سے آپ جوا کیلی ہو جائیں گی۔" اس نے آخری حربہ استعمال کیا۔

"میری فکر مت کرو میری جان، تمہارے بہتر مستقبل کی خاطر میں ہر قسم کی قربانی دینے کو تیار ہوں۔ اور پھر کون سا تم کوئی بہت دور جاؤ گی۔ اسی شہر میں رہو گی۔ ہر ویک اینڈ پر آجایا کرنا۔"

"تو پھر میں ڈیڈی سے کیا کہوں؟" وہ ہار مانتی ہوئی پوچھنے لگی۔

تمہیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں خود کل فون پر ان سے بات کر لوں گی۔"

"جیسی آپ کی مرضی۔"

"اور دیکھو۔" ممی جاتے جاتے رک کر کہنے لگیں۔

"ذرا اپنے اندر ہوشیاری پیدا کرو۔ یوں ڈری سہمی رہو گی تو اگلا بہت جلد تم پر حاوی ہو جائے گا۔ کسی کو اپنے آپ پر حاوی ہونے کا موقع مت دو۔ کوشش کرو کہ تم سب پر حاوی رہو۔ آج کل لڑکیوں کو دیکھو۔ زمانے کو انگلیوں پر نچانے کا فن جانتی ہیں۔ ایک تم ہو کہ.....

"اس کی بیزار شکل دیکھ کر ممی نے اپنی بات روک لی اور اسے شب بخیر کہتی ہوئی اس کے کمرے سے نکل گئیں۔

☆☆☆

پتا نہیں ممی نے ڈیڈی سے اس کے بارے میں کیا کہا کہ تیسرے ہی دن وہ اسے لینے کے لیے آ گئے۔ وہ جانا نہیں چاہتی تھی لیکن ممی کی خواہش پر اسے جانا پڑا۔ گو کہ اسے ڈیڈی سے کوئی شکایت نہیں تھی بلکہ اسے کبھی بھی ان سے شکایت نہیں رہی تھی۔ وہ انہیں بھی اتنا ہی عزیز رکھتی تھی جتنا کہ ممی کو۔ بلکہ کبھی تو اسے ڈیڈی کا پلڑا بھاری نظر آتا تھا۔ وہ ویل ایجوکیٹڈ اور اصولی انسان تھے۔ اپنی محنت سے انہوں نے جو مقام بنایا تھا۔ وہ قابل رشک تھا۔ وہ اکثر سوچتی تھی۔

"پتا نہیں ممی نے ڈیڈی جیسے بندے کی قدر کیوں نہ کی۔ حالانکہ ڈیڈی تو آئیڈیل شخص ہیں۔"

بچپن سے اب تک سینکڑوں بار اس نے سوچا تھا کہ ممی سے پوچھے کہ ان کے اور ڈیڈی کے درمیان علیحدگی کیوں ہوئی تھی لیکن ہمیشہ وہ صرف سوچ کر رہ گئی اور ممی نے بھی کبھی اس کے ساتھ اس موضوع پر بات نہیں کی تھی۔ ہو سکتا ہے۔ انہوں نے ضرورت نہ سمجھی ہو یا ہو سکتا ہے کوئی ایسی وجہ ہو جو وہ اسے بتانا نہ چاہتی ہوں۔ بہر حال کچھ بھی تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ ان دونوں کے درمیان علیحدگی کیوں ہوئی تھی۔ اس نے جب سے ہوش سنبھالا تھا۔ اپنے آپ کو ممی کے ساتھ اس چھوٹے سے فلیٹ میں دیکھ رہی تھی۔ ڈیڈی کبھی کبھار اس سے ملنے آ جاتے تھے اور کبھی جب وہ ڈیڈی کے ساتھ جانے کے لیے کہتی تو ممی منع نہیں کرتی تھی بلکہ آرام سے اسے جانے کی اجازت دے دیتی تھیں۔

شروع شروع میں اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ڈیڈی کو اسے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے ممی کی اجازت کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے۔ لیکن پھر وقت کے ساتھ ساتھ اس کے حالات ساری باتیں خود بخود سمجھتی گئی تھی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ اس کے حالات اور بہت سارے لوگوں کی طرح نہیں ہیں اور یہ مختلف حالات ہی تھے جنہوں نے اسے خاصا حساس اور کافی حد تک بزدل بنا دیا تھا۔ وہ بہت کم گو بھی تھی۔ کبھی کبھی تو اسے لگتا، جیسے بہت دنوں

سے اس کے ہونٹوں نے جنبش تک نہیں کی۔ ممی جہاں اس کی اس عادت سے چڑتی تھیں۔ وہاں ڈیڈی اس کی کم سخنی کو بہت پسند کرتے تھے۔ وہ خود بہت دھیمے لہجے میں بات کرتے تھے۔ ان کا مخصوص انداز تھا۔

''کیا حال ہے بیٹا؟ کیسے ہو آپ۔ سب ٹھیک ٹھاک کوئی پرابلم۔''

وہ ہمیشہ ان کے لہجے میں کھو کر اپنی ہر بات بھول جاتی تھی دل چاہتا وہ بولتے رہیں اور وہ سنتی رہے۔ وہ ان کے دوسرے بچوں کی طرح ان سے بہت زیادہ فرینک نہیں تھی۔ اس کے اندر ایک جھجک تھی اور یہ جھجک بھی شاید اس کے حالات نے بخشی تھی۔ ڈیڈی اس کی کیفیت سمجھتے تھے اس لیے ہمیشہ اسے اپنے پاس بیٹھا کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے یوں باتیں کرتے کہ اکثر اس کے دل کی بات بھی وہ خود ہی کہہ جاتے وہ حیران رہ جاتی تھی کہ ڈیڈی اس کی سوچوں کو کیسے پڑھ لیتے ہیں۔

اس وقت بھی وہ ڈیڈی کے ساتھ آتو گئی تھی لیکن اسے یہ کہنا بڑا عجیب سا لگ رہا تھا کہ ممی اس کی میڈیکل کی تعلیم افورڈ نہیں کر سکتیں۔ اس لیے اسے یہاں بھیج دیا۔ بہت سوچنے پر بھی اسے مناسب الفاظ نہیں ملے تو اس نے ڈیڈی سے کچھ بھی کہنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ لیکن اس وقت وہ خاصی متعجب ہوئی جب ڈیڈی نے اسے اپنے پاس بٹھا کر اس کا حال احوال پوچھنے کے بعد خود ہی اس موضوع کو چھیڑ دیا۔ وہ پوچھ رہے تھے۔

''بیٹا! تمہارا رزلٹ کیسا رہا۔؟''

''رزلٹ تو بہت اچھا ہے ڈیڈی!''

''ویری گڈ۔ اب آگے کیا ارادہ ہے؟''

''میرے لیے جو راہ آپ متعین کریں گے میں اسی پر چلوں گی۔''

ڈیڈی کچھ دیر تک اس کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر مسکراتے ہوئے پوچھنے لگے۔

''تمہاری اپنی کوئی رائے نہیں ہے۔''

''میں آپ کی رائے کو افضل سمجھتی ہوں۔''

''تمہاری ممی کیا کہتی ہیں؟''

''ان کا خیال ہے کہ مجھے میڈیکل میں جانا چاہیے۔''

''کیا اتنے اچھے مارکس ہیں تمہارے۔''

''جی.....!''

''پھر تو تمہاری ممی ٹھیک کہتی ہیں۔''

وہ چپ چاپ ان کی طرف دیکھنے لگی۔ آج پہلی بار وہ ان کے چہرے پر کوئی ایسا تاثر تلاش کر رہی تھی جو ان کے اندر کسی پچھتاوے یا ملال کا اظہار کرتا ہو لیکن اسے ایسا کوئی تاثر نہیں ملا۔

''پتا نہیں۔ ڈیڈی واقعی مطمئن ہیں یا انہیں اپنا آپ چھپانے میں کمال حاصل ہے۔ اس نے سوچا۔

''بیٹا.....!'' ڈیڈی کی آواز پر وہ چونک کر ان کی طرف دیکھنے لگی۔ ''اب تم آرام کرو۔ میں کل شام پھر تم سے بات کروں گا۔''

وہ سر ہلاتی ہوئی ان کے پاس سے اٹھ آئی۔ گیلری سے گزر کر اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھے کہ فرحان سے اسے روک کر پوچھنے لگا۔

خولہ باجی! اب آپ یہیں رہیں گی؟'' اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا جواب دے کیونکہ ڈیڈی نے تو اس بارے کچھ نہیں کہا تھا۔

''باجی! آپ یہیں رہ جائیں ناں۔'' وہ پھر خاموش رہی۔

''میں ڈیڈی سے کہوں گا، اب آپ کو نہ جانے دیں۔'' وہ اس کا گال تھپکتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

اگلے دن وہ شام میں ڈیڈی کا انتظار کرتی رہی۔ لیکن وہ رات کو نجانے کس وقت لوٹے۔ اس سے اگلا دن بھی یوں ہی گزر گیا۔ وہ جانتی تھی کہ ڈیڈی بہت مصروف آدمی ہیں۔ پھر بھی وہ چاہتی تھی کہ ڈیڈی جلدی کچھ کریں۔ ایسا نہ ہو کہ داخلے کی تاریخیں نکل جائیں۔ تیسرے دن بھی وہ بہت دیر تک ان کا انتظار کرنے کے بعد اپنے کمرے میں آئی تھی اور جب وہ سونے کا ارادہ کر رہی تھی تب ڈیڈی خود اس کے کمرے میں آگئے۔

''بیٹا! آپ سو تو نہیں رہے تھے۔'' وہ آتے ہی اپنے مخصوص لہجے میں پوچھنے لگے۔

''نہیں تو ڈیڈی۔''

''بیٹا! میں آپ کے ایڈمیشن کے سلسلے میں ہی مصروف رہا۔'' وہ اس کے پاس بیٹھتے ہوئے بولے۔ ''میں نے یونیورسٹیز سے پتا کیا ہے اور اس وقت تمہارا داخلہ یونیورسٹی آف

بوسٹن میں ممکن ہے۔" وہ حیران ہو کر دیکھنے لگی۔

"میری شروع سے خواہش رہی ہے کہ میں تمہیں اور اپنے دوسرے بچوں کو بھی امریکہ میں اعلیٰ تعلیم دلاؤں تمہاری طرف سے مجھے تھوڑی پریشانی اس لیے تھی کہ میں سوچتا تھا پتا نہیں تمہاری ممی تمہیں امریکہ بھیجنے کی اجازت دیں گی یا نہیں۔ بہر حال مجھے خوشی ہے کہ اس نے بخوشی اجازت دے دی ہے۔"

اور قدرے مختلف حالات میں پروان چڑھی وہ بزدل سی لڑکی بجائے خوش ہونے کے پریشان ہو کر پوچھنے لگی۔

"ڈیڈی! میں وہاں جاؤں گی کیسے؟"

"بیٹا! میں خود تمہارے ساتھ چلوں گا۔ اور تمہارے ایڈمیشن اور رہائش کے انتظام تک وہیں تمہارے ساتھ رہوں گا۔"

قدرے توقف کے بعد کہنے لگے۔

"میں دس پندرہ دن میں تمہارے جانے کے تمام انتظامات مکمل کرلوں گا۔ اگر تم چاہو تو یہ عرصہ اپنی ممی کے ساتھ گزار سکتی ہو۔"

"جی، میں ممی کے پاس جانا چاہوں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ صبح میں آفس جاتے ہوئے تمہیں ان کے پاس چھوڑ دوں گا۔ تم اپنی تیاری مکمل رکھنا۔ میں اگلے پندرہ دنوں میں کسی بھی وقت تمہیں لینے آسکتا ہوں۔"

اس نے سر ہلانے پر اکتفا کیا تو ڈیڈی اس کا گال تھپکتے ہوئے شب بخیر کہہ کر اس کے کمرے سے نکل گئے۔

☆☆☆

اس کے ایڈمیشن میں بالکل بھی دقت نہیں ہوئی۔ رہائش کے لیے البتہ تھوڑی بھاگ دوڑ کرنی پڑی۔ کیونکہ ہاسٹل نہیں تھا۔ یونیورسٹی سے کافی دور کمپلیکس بنے ہوئے تھے۔ جن میں دور ونزدیک سے آئے اسٹوڈنٹس کی رہائش تھی۔ یہاں ایک پاکستانی لڑکی نے اس کے ساتھ شیئر کرلیا۔

ڈیڈی اپنا ہر طرح سے اطمینان کرنے کے بعد واپس چلے گئے۔ تب اسے احساس ہوا

کہ وہ اپنے گھر سے، اپنے وطن سے بہت دور بالکل اکیلی ہے۔ ابھی وہ اس احساس میں گھڑی یہ سوچ رہی تھی کہ وہ یہاں کیسے رہ سکے گی کہ وہ لڑکی اس کے پاس بیٹھتی ہوئی کہنے لگی۔

"میرا نام ندا ہے۔ ندا جہانگیر۔" پھر سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"خولہ شیراز۔"

تمہارے ڈیڈی چلے گئے؟" اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"خاصے اسمارٹ آدمی ہیں۔ تم کیوں اتنی ڈل ہو۔"

"نہیں۔ تو۔"

"اچھا! مجھے غلط فہمی ہوئی ہوگی۔ ویسے بھی مجھے اتنی جلدی تمہارے بارے میں رائے قائم نہیں کرنی چاہیے۔" وہ خاموش رہی۔

"سنو، میرا خیال ہے ہمیں چار سال کا طویل عرصہ ایک ساتھ گزارنا ہے۔ کیوں نہ ہم دوستوں کی طرح فرینک ہو کر رہیں تاکہ وقت اچھا کٹ جائے۔" اس نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔

"تو پھر ملاؤ ہاتھ۔" وہ اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"تم یہاں کب سے ہو۔"

"ابھی تین دن پہلے تو آئی ہوں۔"

"اکیلی.....؟"

"نہیں، مجھے بھی تمہاری طرح میرے ڈیڈی چھوڑ کر گئے ہیں۔" فرق صرف اتنا ہے کہ مجھے لگتا ہے کہ تمہارے ڈیڈی زبردستی تمہاری مرضی کے خلاف تمہیں یہاں چھوڑ کر گئے ہیں جب کہ میں نے اپنے ڈیڈی کو مجبور کیا تھا کہ مجھے پڑھنے کے لیے یہاں بھیجیں۔"

"تم یہ کیسے کہہ رہی ہو کہ مجھے میرے ڈیڈی زبردستی چھوڑ گئے ہیں۔ کیا ڈیڈی نے تم سے ایسی کوئی بات کہی ہے؟"

"نہیں، بلکہ تمہاری شکل سے ایسا لگ رہا ہے۔" پھر وضاحت کرتے ہوئے بولی۔

"یار! اگر اپنی مرضی سے آئی ہوتیں تو اندرونی خوشی کا عکس تمہارے چہرے سے ضرور جھلکتا دکھائی دیتا۔" وہ ہنس پڑی۔

"اچھا! یہ بتاؤ۔ کون سی یونیورسٹی میں ہو۔"

"خواہش تو تھی ہارورڈ یونیورسٹی میں پڑھنے کی لیکن ایڈمیشن نہیں ہوا ہے۔ خیر کوئی بات نہیں ہے۔ بوسٹن یونیورسٹی جاتے ہوئے ہارورڈ راستے میں پڑتی ہے۔ روزانہ آتے جاتے اسے دیکھ کر دل بہلالیا کریں گے۔"

"ہارورڈ میں کیا خاص بات ہے؟"

"ارے تمہیں نہیں پتا۔ اپنی سابق وزیر اعظم وہیں سے پڑھی ہیں۔ اور ہوسکتا ہے وہاں پڑھ کر میرا بھی چانس بن جاتا۔" وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

"خاصی دلچسپ لڑکی ہو۔"

"ابھی تو آج پہلا دن ہے۔ آگے آگے دیکھنا۔" وہ اِترا کر بولی۔ "تمہاری بیزار شکل کو بھی دو دن میں ٹھیک کردوں گی۔"

"میری شکل بعد میں ٹھیک کرنا۔ پہلے اپنے کمرے کو اپنی مرضی کے مطابق سیٹ کر لوں۔" وہ جیسے ہی اٹھنے لگی ندا نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"سنو، تمہیں کچن کے کام میں بھی کوئی تجربہ ہے؟"

"ہاں میں سب کچھ پکالیتی ہوں اور بعض ڈشز تو بڑی مزیدار بنالیتی ہوں۔"

"تھینکس گاڈ!" ندا طویل سانس لیتی ہوئی بولی۔

"کیوں۔ تمہیں کچھ بھی پکانا نہیں آتا؟"

"مجھے صرف خاص چیزیں آتی ہیں۔ مثلاً چائے، کافی بلیک اینڈ وہائٹ دونوں قسم کی۔ یہاں تک کہ انڈا بھی فرائی کرلیتی ہوں۔"

"واقعی!" وہ اپنے لہجے میں حیرت سموتے ہوئے شرارت سے بولی تو دونوں ہنستی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

اسے اپنے کمرے کی ترتیب بدلنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ کیونکہ جس طرح کمرہ سیٹ کیا گیا تھا اسی طرح مناسب لگ رہا تھا۔ اس نے صرف اپنے کپڑے نکال کر الماری میں رکھے اور ابھی خالی سوٹ کیس الماری کے نچلے خانے میں رکھ رہی تھی کہ ندا چائے لے کر آگئی۔

"میں نے سوچا! پہلے میں تمہیں اپنے ہاتھ کا کمال دکھادوں۔ وہ آتے ہی کہنے لگی۔

"ارے! تم نے خواہ مخواہ تکلیف کی۔ میں خود بنالیتی۔"

"یہ رسمی جملے رہنے دو اور اگر فارغ ہوگئی ہو تو چلو بالکونی میں بیٹھ کر چائے پئیں گے۔"

"چلو۔" وہ اس کے ہاتھ سے ایک مگ لے کر کمرے سے نکل آئی۔

"تین دن بعد ہماری کلاسز شروع ہو جائیں گی۔" بالکونی میں ریلنگ کے سہارے کھڑے ہوتی ہوئی ندا نے اطلاع دینے کے انداز میں کہا تو وہ پوچھنے لگی۔

"کیا تم یہاں کے راستوں سے واقف ہو؟"

"ہاں، پچھلے تین دنوں میں، میں نے بڑی معلومات حاصل کرلی ہیں۔ اتنی جتنی تم تین مہینے میں بھی معلوم نہیں کرسکتیں۔"

"اچھا!" وہ ہنس پڑی۔

"تم شاید مذاق سمجھ رہی ہو ٹھہرو، میں تمہیں بتاتی ہوں وہ کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے باقاعدہ شروع ہوگئی۔

"ہمارے دائیں ہاتھ پر جو کمپلیکس ہے۔ اس میں دو میل اسٹوڈنٹس رہتے ہیں۔ ان کی سیاہ رنگت سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ دونوں کا تعلق افریقہ سے ہوگا۔ یا ہوسکتا ہے یہیں کے سیاہ فام باشندے ہوں۔ بہر حال دونوں کوئنٹار جسے ہیں۔" وہ ہنس پڑی۔

"آگے سنو۔" اس کے ہنسنے کا ندا نے کوئی نوٹس نہیں لیا۔

بائیں ہاتھ والے کمپلیکس میں ایک ہندو لڑکی ہے اس کا نام پارو ہے۔ فی الحال اکیلی ہے۔ ہوسکتا ہے۔ ایک آدھ دن میں کوئی اس کے ساتھ شیئر کرنے کے لیے آجائے۔ اور ہمارے دروازے کے عین سامنے جو دروازہ ہے، اس کی طرف دیکھنے کی کوشش کبھی مت کرنا۔"

"کیوں؟"

"پتھر کی ہو جاؤ گی۔"

"میں سمجھی نہیں۔"

"میں سمجھاتی ہوں۔" وہ تجسس پیدا کرنے کی خاطر کرسی اس کے قریب گھسیٹتے ہوئے بولی۔

"سامنے والے کمپلیکس میں وحید مراد رہتا ہے۔"

"کیا.....؟" وہ اپنی جگہ سے اچھل پڑی۔ "وحید مراد کو تو اس دنیا سے گئے ہوئے....."

"تم تو ایک دم ہی بے وقوف ہو۔" وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔

"میرا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بالکل وحید مراد جیسا ہے۔ ویسا ہی ہینڈسم اور اسمارٹ۔ ویسا ہی ہیئر اسٹائل یہاں تک کہ چال ڈھال بھی ویسی ہے۔ میں پچھلے دنوں سے کی ہول سے اسے آتے جاتے دیکھ رہی ہوں۔"

"کی ہول سے کیوں.....؟" اس کے معصومیت سے پوچھنے پر ندا ہنس پڑی۔

"یار! میری سمجھ میں نہیں آرہا، تمہارے ڈیڈی تمہیں یہاں کیوں چھوڑ گئے ہیں۔ انہیں چاہیے تھا، پہلے تمہیں گدو بندر کی سیر کراتے۔"

"تم مذاق اُڑا رہی ہو۔" وہ برا ماننے لگی۔

"ارے نہیں۔" ندا نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ "خیر چھوڑو یہ بتاؤ کل یونیورسٹی دیکھنے چلو گی ناں۔ اپنی کلاسز اگر پہلے ہی سے دیکھ آئیں تو اچھا ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن پہلے یہ بتاؤ کہ سامنے والے کا کیا چکر ہے۔" وہ ابھی تک اسی میں الجھی ہوئی تھی۔

"ابھی چکر چلا کہاں ہے جو بتاؤں۔"

"یعنی ارادہ ہے؟" وہ ہنس پڑی۔

"دیکھو۔"

"ہے کہاں کا.....؟"

"پتا نہیں، ویسے دیکھنے میں تو ایشیائی لگتا ہے۔" پھر اٹھتے ہوئے کہنے لگی۔

"آؤ تمہیں دکھاؤں۔ اس کے آنے کا وقت ہو گیا ہے۔"

"کی ہول سے؟" وہ اس کے ساتھ ہی اٹھتی ہوئی شرارت سے بولی۔

"نہیں، دروازے سے باہر نکل کر ٹہلتے ہوئے ذرا آگے تک جائیں گے۔ اگر اس سے مڈبھیڑ ہو گئی ہیلو کہہ دیں گے۔"

"پہلے بھی کبھی کہا ہے؟"

"نہیں، پہلے کیونکر اکیلی تھی۔ اس لیے ہمت نہیں پڑی۔"

"اور اگر اس نے تمہاری ہیلو کے جواب میں ایک خوبصورت مسکراہٹ میری طرف پھینک دی تب؟"

"ہائیں....." اس کا ہاتھ دروازے کے ہینڈل پر ہی رک گیا، پھر بغور اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں جب کہ اس کا امکان زیادہ ہے۔"

"وہ کیسے.....؟"

"تم جو سلونی شاموں کا سا روپ لیے کھڑی ہو تو کوئی بیوقوف ہی ہوگا جو....."

"جی نہیں۔" وہ اپنی تعریف پر تھوڑی نروس ہو کر فوراً بول پڑی۔ نظریں چراتی۔ بار بار پلکوں کو جھپکتی وہ اتنی اچھی لگ رہی تھی کہ ندا کچھ دیر تک دلچسپی سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر دروازہ کھولتے ہوئے بولی۔

"آؤ چلیں۔"

"تم جاؤ۔ میں یہیں رک جاتی ہوں۔"

"کم آن یار! میں کون سا ان کے لیے اتنی سنجیدہ ہوں جو مجھے اس کے چھن جانے کا خوف ہوگا۔"

"کیا مطلب؟"

"دیکھو خود۔ شاہراہ حیات پر چلتے ہوئے بہت سی چیزیں اور بہت سے لوگ اچھے نظر آتے ہیں اور اچھے لگتے ہیں۔ لیکن سب اچھی لگنے والی چیزیں اور لوگ ہمارے نہیں ہوتے۔ اور نہ ہی ہم ان پر حق جتا سکتے ہیں۔ ہاں، ایسا ضرور ہوتا ہے جو ہمیں اچھا لگتا ہے۔ ہم اپنے ساتھ چلنے والے کو اس کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ میں بھی تمہیں صرف ایک اچھا چہرہ دکھانا چاہتی ہوں اور کوئی بات نہیں۔"

وہ چپ چاپ اس کے ساتھ دروازے سے باہر نکل آئی۔ ہر دروازے پر جلتی ٹیوب لائٹ نے پورے ریڈور کو روشن کر دیا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ابھی چند ہی قدم چلی تھیں کہ دائیں طرف سے بقول ندا کے کوئی تار جیسے لڑکے نکل کر ان کے سامنے آ گئے۔

"ہیلو.....!" ان کے قریب سے گزرتے ہوئے ایک لڑکے نے کہا تو جواباً ان دونوں

کو بھی ہیلو کہنا پڑا۔ ان کا خیال تھا کہ وہ مزید بات کرنے کے لیے رکیں گے لیکن وہ فوراً ہی آگے بڑھ گئے۔

"چلو، ندا، اندر چلتے ہیں۔" وہ فوراً ہی کہنے لگی۔

"کیوں.....؟"

"اچھا نہیں لگ رہا۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے ہم واقعی کسی کے انتظار میں ٹہل رہے ہوں۔"

"تو اس میں غلط کیا ہے؟"

"غلط یہ ہے کہ اگر تمہارے اس وحید مراد نے بھی یہ محسوس کرلیا کہ ہم محض اسے دیکھنے کی خاطر یہاں کھڑے ہیں تو۔"

اس کی بات ادھوری رہ گئی کیونکہ ندا نے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے سامنے اشارہ کیا تھا۔ وہ بلا ارادہ ہی اس کی طرف دیکھنے لگی اور پھر اس سے پہلے کہ وہ نظروں کا زاویہ بدلتی وہ ان کے قریب پہنچ چکا تھا۔ لمحہ بھر کو اس کے قدم روک کر ان دونوں کی طرف دیکھا اور پھر اپنے دروازے کا لاک کھول کر اندر چلا گیا۔

"کیسا.....؟" ندا اس کی طرف دیکھتے ہوئے شرارت سے بولی۔

"بکومت۔" وہ اپنا ہاتھ چھڑا کر اس سے پہلے ہی اندر چلی گئی۔

☆☆☆

کلاسز شروع ہوتے ہی وہ بہت زیادہ مصروف ہوگئیں وہی پہلے تین دن جو دونوں نے مل بیٹھ کر تفصیلی باتیں کی تھیں اس کے بعد تو دونوں کے پاس ایک دوسرے کے لیے بھی وقت نہیں رہا۔ وہ تو خیر عادی تھی کیونکہ گھر میں بھی اس کا زیادہ تر وقت پڑھنے ہی میں گزرتا تھا۔ کہیں آنے جانے یا گھومنے پھرنے کا اسے ویسے بھی شوق نہیں تھا۔ اس نے ہمیشہ کتابوں کو اپنا بہترین رفیق جانا تھا لیکن ندا بہت جلد اکتا گئی۔

اس رات وہ ڈاکٹر رابرٹ کا لیکچر سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی جو انہوں نے آج صبح ہی دیا تھا کہ ندا اس کے کمرے میں جھانک کر کہنے لگی۔

"سنو، فارغ ہو؟"

"فارغ تو نہیں ہوں۔ لیکن اگر تمہیں کوئی کام ہے تو کہو۔" وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بولی۔

"میں بہت بور ہوگئی ہوں۔"

"ابھی سے، وہ سر اٹھا کر حیرت سے پوچھنے لگی۔

"یار! یہ بھی کوئی زندگی ہے۔" وہ اس کے بیڈ پر گرتے ہوئے بولی۔ "صبح پانچ بجے گھر سے نکل جاؤ۔ دو گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد یونیورسٹی کی شکل نظر آتی ہے۔ اس کے بعد شام چھ بجے تک بندہ اسی یونیورسٹی کی حدود میں چکراتا رہتا ہے واپس آکر اگر دل چاہے کچھ دیر آرام کرلیں تو ناممکن کیونکہ اگلے دن کی فکر ساتھ آتی ہے۔" ذرا توقف کے بعد کہنے لگی "میری ممی منع کر رہی تھیں مجھے کہ اتنی دور مت جاؤ۔ لیکن مجھے ہی شوق تھا، امریکہ آکر پڑھنے کا۔ بخدا اگر مجھے ذرا بھی اندازہ ہوتا کہ یہاں کی تعلیم اتنی ٹف ہوگی تو میں کبھی بھی نہ آتی۔"

"ابھی زیادہ وقت نہیں ہوا۔ واپس جاسکتی ہو۔" اس کے اتنے اطمینان سے کہنے پر وہ اچھل پڑی۔

"کیا، تمہارا مطلب ہے میدان چھوڑ کر بھاگ جاؤں؟"

"تو پھر پڑھنے میں دل لگاؤ۔"

"پڑھنے کے ساتھ تھوڑی تفریح بھی چاہیے ہوتی ہے انسان کو۔ تم بتاؤ سارا دن یونیورسٹی میں رہنے کے بعد کون سا وقت ہمارے پاس تفریح کے لیے بچتا ہے۔"

"تم چاہتی کیا ہو؟" وہ کتاب بند کرتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھنے لگی۔

"میں کیا چاہتی ہوں؟" وہ کہنی کھڑی کر کے ہتھیلی پر سر ٹکاتے ہوئے بولی۔

"بھئی، فرصت ہے۔ سنو گی۔؟"

"اگر تم تہیہ کر چکی ہو کہ اس وقت نہ خود پڑھو گی اور نہ ہی مجھے پڑھنے دو گی تو ضرور بتاؤ۔ میں سنوں گی۔"

"سب سے پہلے تو صبح پانچ بجے میرا اٹھنے کو دل نہیں چاہتا۔" وہ باقاعدہ شروع ہوگئی۔

"خیر، جلد اٹھنا اتنا تکلیف دہ کام نہیں ہے۔ اس سے سمجھوتا کیا جاسکتا ہے۔

لیکن یونیورسٹی جاتے ہوئے راستے میں انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی کے سامنے جو

جھیل نظر آتی ہے روزانہ اس کی طرف سے نظریں چرا کر گزر جانا بڑا تکلیف دہ ہے۔ کسی کسی وقت میرا دل چاہتا ہے وہیں رک جاؤں۔ کیا تمہارا دل نہیں چاہتا؟"

"نہیں۔"

"اس پر بعد میں بحث کروں گی کہ تمہارا دل کیوں نہیں چاہتا۔ پہلے اپنی بات کر لوں۔" اس نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا۔

"کبھی دل چاہتا ہے۔ کسی سینما ہاؤس کا رخ کروں۔ اور کوئی زبردست قسم کی مار دھاڑ والی فلم دیکھوں۔ کبھی نیویارک جانے کو دل چاہتا ہے۔ اور کبھی چاہتی ہوں ہالی وڈ کی سیر کر آؤں اور ہالی وڈ جانے کی خواہش اس وقت شدت اختیار کر جاتی ہے۔ جب میں ڈاکٹر زواگو کی کلاس میں بیٹھی ہوتی ہوں۔"

"ڈاکٹر زواگو.....!" وہ حیران ہو کر پوچھنے لگی۔

"وہی ڈاکٹر ولسن۔ بالکل ویسے ہی لگتے ہیں جیسے ڈاکٹر زواگو میں عمر شریف تھا۔"

"میرے خدا!" اس نے اپنا سر پیٹ لیا۔ "کوئی تمہیں وحید مراد جیسا لگتا ہے۔ کوئی عمر شریف جیسا۔ میرا خیال ہے، تم فلمیں زیادہ دیکھتی ہو۔"

"اب تو لگتا ہے فلم دیکھنی نصیب ہی نہیں ہوگی۔"

"کیوں.....؟"

"یہ سوچنا حماقت ہے کہ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد خوب گھومیں پھریں گے۔ کیونکہ اس کے بعد پھر عملی زندگی شروع ہو جائے گی اور عملی زندگی میں جانے کے بعد ہم مریضوں کو دیکھیں گے۔ فلم نہیں دیکھ سکیں گے۔"

"اچھا! اب تم اپنی مزید بکواس بند کرو تو میں تھوڑی اسٹڈی کر لوں۔" وہ دوبارہ کتاب کھولتی ہوئی بولی۔

"پہلے ایک وعدہ کرو، پھر پڑھنے دوں گی۔" وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"اس سنڈے کو کہیں گھومنے چلیں گے۔"

"اور ہفتے بھر کے جمع شدہ کام کون کرے گا۔؟"

"اگلے ہفتے کر لیں گے۔"

"نہیں، پھر کام بہت بڑھ جائے گا۔"

"تو صبح ہی صبح اپنے کام نمٹا لینا۔ ہم نے کون سا درجن بھر بچوں کے کام نمٹانے ہوتے ہیں۔ جو سارا دن لگ جائے گا۔"

"اچھا، کوشش کروں گی۔ اب پلیز، تم اپنے کمرے میں جاؤ۔" ندا کا اٹھنے کا ارادہ نہ دیکھ کر اسے مجبوراً ہامی بھرنی پڑی۔

"سب سے پہلے اسی جھیل پر چلیں گے۔"

"خدا کے لیے ندا! یہ پروگرام بعد میں سیٹ کرنا۔ اب مجھے پڑھنے دو۔"

اس کے چلا کر کہنے پر ندا اٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر جاتے جاتے بولی۔

"چائے پیو گی.....؟"

"نہیں۔" وہ فوراً کتاب پر جھک گئی۔ ندا کچھ دیر کھڑی اسے دیکھتی رہی۔ پھر کندھے اچکاتی ہوئی اس کے کمرے سے نکل گئی۔

☆☆☆

چھٹی کے دن ندا صبح ہی صبح اس کے کمرے میں پہنچ گئی۔

"چلو خولہ جو کام کرنا ہے، جلدی جلدی کر لو پھر چلیں گے۔"

"عجیب لڑکی ہو تم۔" وہ اٹھتے ہوئے بولی۔ "اب میرے ڈیڈی آئیں گے تو میں سب سے پہلے ان سے یہ کہوں گی کہ مجھے اس لڑکی سے نجات دلائیں۔"

"مجھے بھی تم جیسی بور لڑکی کے ساتھ رہنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔" ندا بُرا مانتے ہوئے چلی گئی تو وہ اس کے پیچھے بھاگی۔

"میں مذاق کر رہی تھی یار! تم بُرا مان گئیں۔"

"اب مجھے منانے میں وقت برباد کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جاؤ اپنا کام کرو۔"

"اس کا مطلب ہے تم خفا نہیں ہو۔"

"نہیں..... اور سنو، میں کچن صاف کر رہی ہوں۔ لہٰذا اس طرف سے بے فکر ہو جاؤ۔"

"چیزوں کی ترتیب مت بدل دینا۔ مجھے تمہاری رکھی ہوئی چیزیں تلاش کرنے میں بڑی دقت ہوتی ہے۔" وہ واپس اپنے کمرے کی طرف جاتی ہوئی کہنے لگی۔ پھر کچھ دیر بعد ہی

ندا نے بھی حد کر دی تھی۔ ایک ہی دن میں اتنی بہت ساری جگہیں دیکھنے کے چکر میں اسے تھکا ڈالا۔ وہ کیونکہ پھرنے کی شوقین نہیں تھی اور نہ ہی عادی اس لیے شام میں واپس آتے ہی اپنے بیڈ پر آتے ہی جو گری تو دوبارہ اٹھنے کی ہمت ہی نہ ہوئی۔

''ارے! تم نے کپڑے بھی نہیں بدلے۔'' ندا اس کے کمرے میں آئی تو اسے اسی حلیے میں لیٹے دیکھ کر قدرے حیرت سے پوچھنے لگی۔

''اس وقت بالکل ہمت نہیں ہے۔''

''کیا بہت زیادہ تھک گئی ہو؟'' ذرا رک کر پھر کہنے لگی میں تو بالکل بھی نہیں تھکی۔''

''تم انسان ہوتیں تو تھکتی۔'' ندا ہنس پڑی۔

''ٹھہرو۔ پہلے میں تمہارے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں۔ پھر.....''

کال بیل بجنے سے اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ شاید ہمارے ہاں کوئی آیا ہے۔ وہ جیسے ہی پلٹنے لگی خولہ اسے پکارتی ہوئی ایک ہی جست میں بیڈ سے کود آئی۔

''ٹھہرو ندا! پہلے لیونگ روم میں سے کپڑے اٹھانے دو۔'' اس کے ساتھ ہی وہ جا کر جلدی جلدی سارے کپڑے سمیٹنے لگی ندا دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھے شرارت سے اسے دیکھتی رہی، پھر جیسے ہی وہ سب کپڑے اٹھائے اپنے کمرے میں گئی۔ ندا نے دروازہ کھول دیا۔ سامنے پارو کھڑی تھی۔ وہ اسے لیے ہوئے اندر آ گئی۔

''تم لوگ آج کہیں گئے تھے؟'' پارو بیٹھتے ہی پوچھنے لگی۔

''ہاں، آج تفریح کا موڈ تھا سو نکل گئے۔''

''خولہ کہاں ہے؟''

''اپنے کمرے میں آؤ۔ وہیں چلتے ہیں۔''

ندا اسے لیے ہوئے اس کے کمرے میں آ گئی اور وہ جو پہلے ہی تھکی ہوئی تھی اور مزید بھاگ بھاگ کر کپڑے سمیٹنے کی وجہ سے ہانپنے لگی تھی اور اس وقت بیڈ پر سیدھی..... لیٹی لمبے لمبے سانس لے رہی تھی۔ ندا کے ساتھ پارو کو اپنے کمرے میں آتے دیکھ کر اندر ہی اندر کھول کر رہ گئی۔ جس بے ترتیبی کو وہ لیونگ روم سے اٹھا کر اپنے کمرے میں لے آئی تھی ندا وہیں پہنچ گئی تھی۔ دل ہی دل میں ندا کو بے شمار گالیاں دیتے ہوئے اس نے بیڈ پر پھیلے کپڑوں کو کنارے کیا اور بظاہر خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتی ہوئی بولی۔

''آؤ پارو! کیسی ہو۔''

''میں دن میں آئی تھی لیکن تم دونوں تھیں نہیں۔'' پارو بیڈ کے کنارے بیٹھتی ہوئی بولی۔

''اصل میں خولہ پچھلے ایک ہفتے سے مجھے تنگ کر رہی تھی کہ کہیں گھومنے چلو۔''

ندا اس سے پہلے ہی بول پڑی۔

''آج بھی میرا جانے کا موڈ نہیں تھا لیکن خولہ کی وجہ سے جانا پڑا۔''

اس کے گھورنے پر ندا ہنستی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''میں چائے لے کر آتی ہوں۔''

''میرے لیے تکلف مت کرو پلیز۔ میں جا رہی ہوں۔'' پارو بھی فوراً لے کر آتی ہوں۔''

''ارے ابھی تو آئی ہو۔ بیٹھو ناں۔''

''پھر کسی وقت آؤں گی۔ اس وقت ویسے بھی تم دونوں تھکی ہوئی ہو۔ اچھا خولہ تم آرام کرو۔'' وہ ندا کے ساتھ ہی اس کے کمرے سے نکل گئی تو وہ طویل سانس لیتی ہوئی پھر لیٹ گئی۔ کچھ دیر بعد ہی ندا چائے لے کر آئی تو اس نے پینے سے صاف انکار کر دیا۔

''دیکھو، میں صرف تمہارے لیے بنا لاکر ئی ہوں۔ میرا تو ویسے بھی موڈ نہیں تھا۔''

''مجھے پتا ہے، تم ہر کام میری خاطر کرتی ہو۔'' اس کے جلے بھنے لہجے پر ندا کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''چلو، غصہ بعد میں کرنا۔ پہلے چائے پی لو ورنہ ٹھنڈی ہو جائے گی۔'' ٹھنڈی چائے وہ ویسے بھی نہیں پیتی تھی اس لیے مجبوراً اٹھ بیٹھی۔

''ندا.....!'' کچھ دیر خاموشی سے چائے پینے کے بعد وہ کہنے لگی۔ ''صبح جب میں کپڑے دھونے نیچے گئی تھی نا۔ وہاں وہ بھی آیا تھا۔''

''کون.....؟''

''وہ جو سامنے رہتا ہے۔ اس کا نام شہروز ہے۔''

''ہیں تم تعارف بھی حاصل کر آئیں اور اتنی اہم بات تم نے صبح ہی کیوں نہ بتائی۔''

''صبح تم اتنی جلدی جلدی کر رہی تھیں کہ مجھے یاد نہیں رہا۔''

''اور سارا دن.....؟''

''کہنا۔ یاد نہیں رہا اور جہاں تک تعارف کا سوال ہے تو اس نے خود ہی اپنا نام بتایا تھا۔''

''یونہی تو نہیں بتایا ہوگا۔ پہلے تمہارا بھی پوچھا ہوگا۔'' جواب میں اس نے شہروز سے مختصر ملاقات کی ساری تفصیل کہہ سنائی۔

''سنو۔'' ساری بات سننے کے بعد ندا کہنے لگی۔ ''وہ اتفاقاً وہاں آیا تھا یا؟''

''ندا کیا کہنا چاہتی ہو تم؟'' وہ اس کی بات کاٹ کر بولی۔

''صرف اتنا کہ اسے محض اس لیے ریجیکٹ مت کر دینا کہ وہ مجھے اچھا لگا تھا۔ مجھے بہت سارے لوگ اچھے لگتے ہیں۔''

وہ چپ چاپ ندا کی طرف دیکھنے لگی جو اپنی بات کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر کوئی ایسی بات تو ضرور تھی جو اسے پشیمان کر گئی کہ اس نے کیوں ندا کے سامنے اس کا ذکر کیا۔

''اچھا خولہ! تم ابھی اسٹڈی کرو گی یا سونے کا ارادہ ہے۔''

''اس وقت سوؤں گی۔''

''او کے، گڈ نائٹ۔'' وہ خالی مگ لے کر اس کے کمرے سے نکل گئی۔

صبح ندا اپنے پہلے والے موڈ میں تھی، بالکل فریش سی وہ بغور اس کی طرف دیکھتی رہی۔ لیکن اس کے چہرے پر رات والی بات کا کوئی تاثر نہیں ملا اور وہ جو رات بہت دیر تک اس کے بارے میں سوچ کر پریشان ہوتی رہی تھی اب خاصی مطمئن ہو گئی تھی۔

دوسری بار شہروز سے ان دونوں کی ملاقات یونیورسٹی کے کیفے ٹیریا میں ہوئی تھی۔ لنچ ٹائم میں وہ دونوں کارنر والی ٹیبل پر بیٹھی برگر کھانے میں مصروف تھیں۔ جب وہ ان کے پاس آ کر کہنے لگا۔

''کیا میں آپ کے ساتھ بیٹھ جاؤں؟'' اس کے انداز میں بے تکلفی نہیں تھی۔ لیکن اپنائیت کا کوئی ایسا پہلو تھا کہ دونوں نے لمحہ بھر کو ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر سر ہلا کر اسے بیٹھنے کی اجازت دے دی۔

''شکریہ۔'' وہ بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''آج میں خاص طور سے آپ کو ڈھونڈتا ہوا آیا ہوں۔'' وہ سمجھ نہیں سکی کہ وہ ''خاص طور'' کا لفظ صرف اس کے لیے استعمال کر رہا ہے یا

دونوں کے لیے۔

''اس کیفے میں، میں کم ہی آتا ہوں کیونکہ میری زیادہ تر کلاسز بلاک ایف میں ہوتی ہیں۔ اس لیے میں اسی طرف چلا جاتا ہوں۔''

''آپ کیا کھانا پسند کریں گے؟'' ندا کے پوچھنے پر وہ فوراً بولا۔

''ٹھہریے، میں اپنے لیے لے کر آتا ہوں۔'' پھر جاتے جاتے پوچھنے لگا۔

''آپ دونوں کچھ اور لیں گی۔''

''نہیں شکریہ۔'' وہ چلا گیا اور جب واپس آیا تو ان دونوں کے لیے جوس بھی لیتا آیا۔

''میرا خیال ہے، ہم نے آپ کو کچھ لانے سے منع کیا تھا۔'' ندا اس کے ہاتھ میں جوس کے پیکٹ دیکھ کر کہنے لگی۔

''چلیے، اب تو لے آیا ہوں۔'' اس نے بیٹھتے ہوئے پیکٹ ان دونوں کے سامنے رکھ دیے۔

''آپ نے بتایا نہیں کہ آپ کو خاص طور پر خولہ کو ڈھونڈنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟'' ندا نے بظاہر عام سے لہجے میں پوچھا تھا۔ لیکن خولہ کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ اس پر کچھ جتانا چاہتی ہو۔

''اس روز خولہ سے بہت مختصر ملاقات ہوئی تھی اور آپ تو جانتی ہیں پردیس میں اپنے ہم وطنوں کو دیکھ کر یا ان سے مل کر کتنی خوشی ہوتی ہے۔ اسی حوالے سے میں دوبارہ بھی آپ سے ملنا چاہتا تھا لیکن آپ دونوں نظر ہی نہیں آئیں۔''

''شاید آپ نہیں جانتے۔ ہم آپ کے سامنے ہی تو رہتے ہیں۔''

''میں جانتا ہوں۔'' وہ فوراً بول پڑا۔ ''اور کئی بار سوچا کہ آپ کی طرف آؤں۔''

''پھر آئے کیوں نہیں؟''

''کیا مجھے آنا چاہیے تھا؟'' الٹا ندا سے پوچھتے ہوئے اس کی نظریں خولہ پر جا ٹھہری تھیں جیسے وہ اپنی بات کا جواب اس سے چاہتا ہو۔

''خولہ سے پوچھیے کہ آپ کو آنا چاہیے تھا یا نہیں؟'' ندا نے ساری بات اس پر ڈال دی اور وہ اپنے آپ میں بڑا عجیب سا محسوس کرنے لگی۔

''میرا خیال ہے، اب ہمیں چلنا چاہیے۔'' وہ اس کی سوالیہ نظروں سے گھبرا کر اٹھ

کھڑی ہوئی۔

''تو پھر کب آرہے ہیں آپ؟'' ندا نے اُٹھنے سے پہلے اس سے پوچھا۔

''میں نہیں، آج شام آپ دونوں میرے ہاں آئیں۔''

''اپنے بارے میں تو میں کہہ سکتی ہوں کہ ضرور آؤں گی لیکن خولہ کے بارے میں نہیں کہہ سکتی۔''

''کیوں.....؟''

''اس لیے کہ یہ کہیں بھی جانے کے لیے مشکل سے تیار ہوتی ہے۔ ہاں اگر آپ اسے خاص طور سے انوائٹ کریں تو شاید۔''

''ندا.....!'' خولہ کے ٹوکنے پر وہ خاموش ہوگئی۔

''آپ آرہی ہیں ناں؟'' وہ براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''ندا آئے گی تو اس کے ساتھ آؤں گی۔''

''میرا خیال ہے آپ دونوں ایک دوسرے پر بات رکھ کر مجھ ٹالنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ یقین کیجیے میں نے تو بہت خلوص سے۔''

''ہمیں آپ کے خلوص پر شبہ نہیں ہے۔'' ندا اس کی بات کاٹ کر کہنے لگی۔ ''اور دل چھوٹا مت کیجیے ہم ضرور آئیں گے۔''

''شکریہ۔''

''اب اجازت دیجیے۔ کیونکہ ڈاکٹر زواگو کی کلاس شروع ہونے میں صرف پانچ منٹ ہیں۔''

''ڈاکٹر زواگو!'' وہ زیرلب بڑبڑاتا ہوا سوچنے لگا کہ وہ کس کا لیکچر کا ذکر کر رہی ہے۔

''معاف کیجیے گا۔ ندا کا اشارہ ڈاکٹر ولسن کی طرف ہے۔'' اسے سوچتے دیکھ کر خولہ جلدی سے بول اٹھی۔

''ارے.....!'' وہ ہنس پڑا۔ ''آپ نے تو میری مشکل حل کر دی۔ میں پچھلے کئی دنوں سے یہ سوچ کر پریشان ہوتا رہا ہوں کہ آخر ڈاکٹر ولسن کس سے مشابہت رکھتے ہیں۔''

''ہیں نا ڈاکٹر زواگو جیسے.....؟''

''بالکل۔''

''اچھا! آپ ان دونوں کا موازنہ کریں۔ ہم جا رہے ہیں۔'' وہ اسے وہیں چھوڑ کر کیفے سے نکل آئیں۔

☆☆☆

شام میں یونیورسٹی سے واپسی پر وہ جان بوجھ کر کچن میں مصروف ہوگئی تھی۔

''خولہ! شہروز کے ہاں نہیں چلو گی؟'' ندا اسے پکارتی ہوئی وہیں آگئی۔

''جب اس سے کہا ہے تو جانا ہی پڑے گا۔''

''تو پھر چلو ناں۔''

''چلو۔'' اس سے چولھا بند کر دیا۔ پھر اس کے ساتھ کچن سے نکلتی ہوئی کہنے لگی۔ ''سنو ندا! اسے اپنے ہاں آنے کی دعوت مت دینا۔''

''کیوں؟'' وہ جواب دینے کے بجائے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ جلدی سے بالوں میں برش کیا اور پھر واپس آتے ہوئے کہنے لگی۔

''چلو۔''

''ڈریس چینج نہیں کرو گی؟'' ندا اس کا سرتاپا جائزہ لیتے ہوئے کہنے لگی۔

''نہیں، ایسے ہی ٹھیک ہوں۔'' ندا نے کندھے اُچکائے اور اس کے ساتھ باہر نکل آئی۔

وہ انہیں دیکھ کر بہت زیادہ خوشی کا اظہار کرنے لگا۔ یوں جیسے بہت دنوں کے بعد ملاقات ہوئی ہو۔

انہیں لیونگ روم میں بٹھانے کے بعد وہ فوراً ہی چائے بنانے چلا گیا۔ جب واپس آیا تو ندا اس سے کہنے لگی۔

''آپ کس چکر میں پڑ گئے؟ ہم زیادہ دیر نہیں رکیں گے۔''

''اور میں آپ کو جلدی نہیں جانے دوں گا۔'' وہ چھوٹی سی ٹرے ان کے سامنے رکھتا ہوا خاص طور سے اس سے کہنے لگا۔

''خولہ! آپ چائے بنائیں۔'' وہ چپ چاپ پیالیوں میں چائے ڈالنے لگی۔

''آپ کا تو صرف ایک سال ہی اور رہ گیا ہے ناں۔'' ندا اس سے پوچھنے لگی۔

''ہاں.....!''

اس کے بعد کیا ارادہ ہے۔یہیں رہیں گے یا واپس جائیں گے؟''

''واپس تو بہر حال جاؤں گا۔ایک سال بعد نہ سہی دو یا تین سال کے بعد کیونکر میرا مستقل یہاں رہنے کا ارادہ نہیں ہے۔''

''گرین کارڈ نہیں لیں گے؟'' ندا کے شرارت سے پوچھنے پر وہ بھی ہنس پڑا۔

''گرین کارڈ کی سعی وہ کرتا ہے جسے اپنی مٹی سے زیادہ یہاں کشش نظر آتی ہے اور میرے نزدیک اپنے وطن کی مٹی زیادہ معتبر ہے۔ میں اگر مزید یہاں رکا بھی تو اسپیشلائزیشن کے لیے رکوں گا ورنہ نہیں۔''

''ندا چلیں!'' وہ پہلی بار بولی بھی تو جانے کی بات کرنے لگی۔

''بیٹھیں ناں۔آپ کو کون سا بہت دور جانا ہے۔''

''دور تو نہیں جانا لیکن اسٹڈی کرنی ہے۔'' اس کے ساتھ ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ارے آپ نے تو فوراً ہی اپنی بات پر عمل بھی کر ڈالا۔''

''یہ اب نہیں رکے گی۔اس لیے اب اجازت دیجیے۔'' ندا بھی کھڑی ہوگئی۔

''کمال ہے، ابھی تو آئی تھیں۔''

''پھر کبھی جب فارغ ہوں گے تو آجائیں گے اور شہروز آپ بھی آئیں ناں۔'' ندا کو اخلاقاً کہنا پڑا۔

''ضرور آؤں گا۔'' وہ انہیں چھوڑنے باہر تک آیا۔

''سنو، اس کے سامنے تم گونگی کیوں بن جاتی ہو.....؟'' اپنے دروازے سے اندر آتے ہی اس سے کہنے لگی۔

''کیا مطلب؟''

''وہ تم سے بات کرنا چاہتا ہے اور تم۔''

''صرف مجھ سے تو بات نہیں کرنا چاہتا اور پھر تم جو اتنا بولتی ہو۔''

''میرے بولنے سے کیا ہوتا ہے۔وہ تمہیں سننا چاہتا ہے۔''

''تم سے کس نے کہا.....؟''

''اس کا ہر انداز بتاتا ہے۔''

''ندا!'' وہ حیران ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔''ایسی باتیں مت کرو۔''

''کیا تم میری باتوں سے انکار کر سکتی ہو؟''

''ہاں تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔'' اس کے ساتھ ہی وہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔

پچھلے ایک گھنٹے سے کتاب اس کے سامنے کھلی رکھی تھی اور وہ ایک لفظ نہیں پڑھ پائی تھی۔ندا کو تو اس نے جھٹلا دیا تھا۔لیکن اپنے آپ کو جھٹلانا بڑا مشکل تھا۔

''میں شہروز کے سامنے اپنے آپ کو بے بس کیوں محسوس کرتی ہوں۔'' اس نے دسویں بار سوچا! کیا واقعی وہ صرف مجھ سے بات کرنا چاہتا ہے۔آخر کیوں؟''

وہ سوچتے سوچتے الجھنے لگی تھی۔تب اس نے کتابیں اٹھا کر ایک طرف رکھ دیں اور لائٹ آف کر کے لیٹ گئی۔

☆☆☆

سمسٹر ختم ہوتے ہی انہیں فراغت نصیب ہوئی تھی اور ان دنوں کے لیے انہوں نے بہت سے پروگرام بنا رکھے تھے۔لیکن دوسرے ہی دن ندا کے بڑے بھائی واشنگٹن سے آ گئے۔وہ ان کے ساتھ چلی گئیں۔اس نے تو اس سے بھی چلنے کے لیے کہا تھا لیکن اس نے سہولت سے منع کر دیا۔

ندا کے جانے کے بعد وہ بالکل اکیلی ہوگئی تھی۔پہلے دن اس اطمینان سے بیٹھ کر ممی کو تفصیلی خط لکھا۔انہیں اپنی پڑھائی کے بارے میں لکھنے کے ساتھ اپنی طرف سے ہر طرح کا اطمینان دلایا۔

اگلے دو دن اس نے اپنے کچھ ادھورے کام نمٹانے میں صرف کیے۔اس کے بعد وہ بالکل فارغ ہوگئی.....فراغت اور تنہائی دونوں نے مل کر اسے بور کر دیا۔اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کیا کرے۔

موسم بھی بدلنے لگا تھا۔صبح کے وقت خنکی بڑھ جاتی تھی۔اور اس کے پاس گرم کپڑے بھی نہیں تھے۔اس نے ندا کے ساتھ شاپنگ کا پروگرام بنایا تھا۔اب وہ چلی گئی تھی اور اکیلے بازار جانے میں اس کی بزدلی آڑے آتی تھی۔گو کہ سوچا اس نے بہت بار تھا کہ وہ جا کر اپنی کچھ ضروری چیزیں لے آئے گی لیکن ہمت نہیں پڑی۔

''کیوں.....؟''

''پتا نہیں۔''

''سنو، کہیں تمہیں میری بے تکلفی ناگوار تو نہیں گزری۔''

''نہیں۔''

اس نے قریب سے گزرتی ٹیکسی روکی اور اس کے لیے دروازہ کھول دیا۔ پھر اس کے بیٹھنے کے بعد خود بھی بیٹھ گیا۔

بہت سارا وقت ان دونوں نے دریا کے کنارے چہل قدمی کرتے ہوئے گزارا اور جب دوپہر ڈھلنے لگی تب وہ اسے شاپنگ سینٹر لے آیا۔ بہت جلد وہ شاپنگ سے وہ فارغ ہو گئی اور جیسے اس کے ساتھ باہر نکلی موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ وہ اس کی طرف یوں دیکھنے لگا جیسے پوچھ رہی ہو اب کیا کریں؟ وہ کندھے اچکاتا ہوا کہنے لگا۔

''شاید قدرت کا ہمارا ساتھ منظور ہے۔'' اسے خاموش دیکھ کر وہ پھر کہنے لگا۔

''تم مجھ سے فرار کی خاطر جلدی سے گھر جانا چاہتی تھیں ناں۔''

''کیا تم سے فرار ممکن ہے؟'' اس نے سوچا۔

''آؤ اوپر کیفے میں چلتے ہیں۔'' وہ اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر چل پڑا تو اسے بھی مجبوراً اس کے پیچھے جانا پڑا۔

کیفے کا ماحول ویسا ہی تھا۔ جیسا اس نے فلموں میں دیکھا تھا۔ وہ کافی پیتے ہوئے مسلسل کاؤنٹر پر بیٹھی اس لڑکی کو دیکھتی رہی جو اس کے ساتھ ہی پڑھتی تھی اور جس کا محبوب شغلہ مشرق اور مشرق میں رہنے والوں کا مذاق اڑانا تھا۔ ندا اس سے بہت چڑتی تھی اور کئی بار اپنی زبان میں اس کے منہ پر اسے گالیاں بھی دیتی تھی۔ وہ اکثر ایسے موقع پر ندا کا ہاتھ دبا کر اسے روکتی تھی۔

''کیا سوچنے لگیں؟'' اسے مسلسل ادھر متوجہ دیکھ کر وہ پوچھنے لگا۔

''کچھ نہیں، اب چلو۔''

''لیکن بارش تو رُکی نہیں۔'' وہ شیشوں سے باہر دیکھتا ہوا کہنے لگا۔

''جس رفتار سے برس رہی ہے اس سے لگتا ہے، اگلے دو دن تک نہیں رکے گی۔ تو پھر کیوں نہ ابھی نکل چلیں۔''

''چلو۔'' اس نے کاؤنٹر پر آ کر بل ادا کیا اور اس کے ساتھ نیچے آ گیا۔

جب ندا واپس آئی تو اس کے بدلے انداز دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اس کے رخساروں پر اترتی شفق کی لالی کے ساتھ ہونٹوں کی مسکراتی کلیاں بہت سی ان کہی داستانیں سنا رہی تھیں۔

''سنو، میری غیر موجودگی میں کوئی خاص بات ہو گئی ہے کیا؟'' اس وقت جب وہ بالکونی میں کھڑی ہلکے ہلکے گنگنا رہی تھی کہ ندا انتہائی رازداری سے پوچھنے لگی۔

''ک.....کون سی بات.....؟'' وہ سچ مچ گھبرا گئی۔

''وہی جس نے تمہیں گنگنانے کا حوصلہ بخشا ہے۔''

''اگر تمہیں میرا گنگنانا اچھا نہیں لگ رہا تو خاموش ہو جاتی ہوں۔''

''نہیں بھئی! میں تمہیں گنگنانے سے منع نہیں کر رہی لیکن اگر مجھے اپنے راز میں شریک کر لو تو.....''

''پتا نہیں، تم کیا کہہ رہی ہو۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر بول پڑی۔

''بتانا نہ چاہو تو الگ بات ہے۔ ورنہ تم اچھی طرح سمجھ رہی ہو کہ میں کیا کہہ رہی ہوں۔'' ندا کے لہجے میں خفگی محسوس کر کے اس نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

''بات صرف اتنی سی ہے کہ ندا! کہ تمہاری غیر موجودگی میں شہروز یہاں آتا رہا ہے۔''

''اور.....''

''اور میں ایک دو بار اس کے ساتھ باہر بھی گئی ہوں۔''

''اور.....''

''اور کیا سننا چاہتی ہو؟''

''اور وہ بات جو تمہارے چہرے پر لکھی ہے اور جسے تم بتانے سے گریز کر رہی ہو۔''

''جب جان ہی گئی ہو تو اصرار کیوں کر رہی ہو۔'' ندا ہنس پڑی۔

''تم خاصی بزدل ہو خولہ!۔ جب اس راستے پر قدم رکھ ہی چکی ہو تو ڈرتی کیوں ہو.....؟'' وہ چپ رہی۔

''میں تو اسی دن جان گئی تھی کہ دال میں کچھ کالا ہے، جس دن شہروز خاص طور پر تمہیں ڈھونڈتا ہوا کیفے ٹیریا آ پہنچا تھا۔''

''ندا! وہ تمہیں اچھا لگتا ہے؟'' وہ اس سے نظریں چُراتی ہوئی بولی۔

''کم آن یار! میں نے تم سے کہا تھا کہ مجھے اور بھی بہت سارے لوگ اچھے لگتے ہیں۔ پلیز تم میری طرف سے کوئی بات دل میں مت لاؤ۔'' وہ چپ چاپ اس کی طرف دیکھتی رہی تھی۔

کلاسز شروع ہوتے ہی ان کی پہلے جیسی مصروفیت شروع ہوگئی، وہی صبح سے شام تک یونیورسٹی میں رہنا اس کے بعد واپس پر اگلے دن کی فکر ساتھ لانا۔ اب تو وہ بھی فراغت کے لمحوں کو ترسنے لگی تھی، لیکن ایسا کوئی لمحہ چھٹی والے دن بھی میسر نہیں آتا تھا کہ سارا دن ہفتے بھر کے جمع شدہ کام کرنے میں گزر جاتا تھا۔

اس ویک اینڈ پر ڈاکٹر ولسن نے اپنے اسٹوڈنٹس کو اپنے گھر پر انوائٹ کیا تھا۔ یونیورسٹی سے آنے کے بعد وہ اور ندا جلدی جلدی تیاری ہونے میں لگ گئیں۔ اس نے لائٹ پنک کلر کے پلین سوٹ پر سیاہ جرسی پہنی اور لمبے بالوں کو پشت پر کھلا چھوڑ دیا۔

''ندا! جلدی کرو، یہ امریکن وقت کے بڑے پابند ہوتے ہیں۔''

''پابندی وقت نے ہی تو انہیں کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے۔'' ندا نے برش ہاتھوں سے رکھ دیا اور اُس کے ساتھ باہر نکل آئی۔ شہروز اپنے دروازے سے نکل رہا تھا۔ اُن دونوں کو دیکھ کر کہنے لگا۔

''ڈاکٹر زوا گو نے انوائٹ کیا ہے، وہیں جا رہے ہیں۔''

''ارے میں بھی وہیں جا رہا ہوں۔ چلو ساتھ چلتے ہیں۔''

''مجھے تو اعتراض نہیں ہے، لیکن خولہ سے پوچھ لو۔'' ندا شرارت سے اُس کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''میں کیوں اعتراض کروں گی۔'' وہ فوراً بول پڑی۔

''ہاں، یہ کیوں اعتراض کرے گی بھلا چلو۔'' تینوں ایک ساتھ چل پڑے۔

وہ ٹھیک وقت پر پہنچے تھے، ڈاکٹر ولسن خود استقبال کو موجود تھے۔ شہروز انہیں چھوڑ کر اپنے کلاس فیلوز کی طرف چلا گیا تو وہ دونوں ہال کے نسبتاً تنہا، گوشے میں آ کھڑی ہوئیں۔ یہاں کسی تقریب میں شرکت کرنے کا یہ پہلا موقعہ تھا۔ اس لیے اس کے ساتھ ساتھ ندا بھی تھوڑی نروس لگ رہی تھی۔ انہیں کھڑے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ جانے کون تھا جو اُن کے

قریب آ کر کہنے لگا۔

''ہیلو!'' جواباً انہوں نے بھی ہیلو کہا۔

''آر۔ یو پاکستانی۔'' (کیا آپ پاکستانی ہیں) وہ اُن دونوں سے پوچھنے لگا۔

''آپ کو کوئی اعتراض ہے؟'' ندا نے اُردو میں کہا تھا اس لیے وہ سمجھ نہیں سکا اور خولہ کی طرف دیکھنے لگا۔

''یس۔'' خولہ نے زبان کے ساتھ سر بھی اثبات میں ہلایا۔

''مجھے پاکستانیوں کی کچھ کچھ پہچان ہونے لگی ہے۔'' وہ انگریزی میں کہہ رہا تھا۔

''بعض چہروں میں بہت کشش ہوتی ہے، جیسے آپ۔'' آخر میں اُس نے ایکدم خولہ کی طرف اشارہ کر دیا تو وہ گھبرا کر ندا کی طرف دیکھنے لگی۔

''تمہاری تعریف کر رہا ہے۔'' وہ اُس کی گھبراہٹ سے محفوظ ہوتے ہوئے شرارت سے کہنے لگی۔

''میرا نام مارک ہے۔'' وہ اپنا تعارف کروانے لگا۔ ''میں اسکاوٹ لینڈ سے آیا ہوں۔''

''یہاں کیا کرتے ہیں؟'' وہ سنجیدگی سے پوچھنے لگی۔

''میں انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی میں شعبہ ایگری کلچر میں ہوں اور جانوروں پر ریسرچ بھی کر رہا ہوں۔'' ذرا توقف کے بعد کہنے لگا۔ ''اصل میں میرا باپ ایک کسان ہے۔ اس کے پاس تھوڑی بہت زمین ہے، جس پر وہ کاشتکاری کرتا ہے، اور اس نے ایک فارم بھی بنا رکھا ہے۔ جس میں مختلف جانور ہیں۔ میرے باپ کی خواہش تھی کہ جب اُس کے جانور بیمار ہوں تو ان کے علاج کے لیے اسے کہیں دور نہ جانا پڑے۔''

''موصوف مستقبل کے ڈنگر ڈاکٹر ہیں۔'' ندا کی سرگوشی پر وہ ہنس پڑی۔

''ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔'' ندا اُس سے کہنے لگی۔ آپ تو انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی میں ہیں پھر یہاں کیسے آئے؟ میرا مطلب ہے، یہاں تو ڈاکٹر ولسن کے اسٹوڈنٹس ہیں۔''

''ڈاکٹر ولسن میرے رشتہ دار ہیں۔''

''ہیلو مارک!'' وہ ابھی کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا۔ کہ ایک لڑکی نے آ کر اُس کے

کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ انہوں نے دیکھا۔ وہ وہی لڑکی تھی جن کا محبوب مشغلہ مشرقی لوگوں کا مذاق اُڑانا تھا اور جو اس روز ایک کیفے میں کاؤنٹر پر بیٹھی نظر آئی تھی۔

"جوزفین!" مارک اُس سے کہنے لگا! "یہ دونوں پاکستانی ہیں۔" جواب میں اُس نے بُرا سا منہ بناتے ہوئے کچھ ایسی نظروں سے اُن دونوں کی طرف دیکھا کہ ندا فوراً بول پڑی۔

"ہمیں اپنے پاکستانی ہونے پر فخر ہے۔"

"واؤ۔" اُس کے ہونٹ دائرے کی شکل اختیار کر گئے انداز تمسخرانہ تھا۔ "تم لوگ صرف فخر کرتے اور کچھ نہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"کتنا عرصہ ہوا ہے، تمہارے ملک کو آزاد ہوئے؟ میرا خیال ہے، نصف صدی تو ہونے ہی والی ہے اور تم لوگ اب تک ترقی پذیر ممالک کی قطار میں کھڑے ہو۔ آخر کیوں؟"

"فکر مت کرو، زیادہ دن نہیں ہیں جب ہم ترقی پذیر کی قطار سے نکل کر ترقی یافتہ کی قطار میں شامل ہو جائیں گے۔"

"ہونہہ! ترقی یافتہ کی قطار میں شامل ہو جاؤ گے۔ برسوں سے تم لوگ یہ خواب دیکھ رہے ہو، میں پوچھتی ہوں آخر اسے تعبیر کب دو گے۔ پر چار تو بہت کرتے ہو کہ ہم بہت ٹیلنٹڈ ہیں۔ بہت باہمت ہیں، ہمارے حوصلے جوان ہیں، ہمارے عزائم۔"

"ہاں، ہم بہت باہمت ہیں اور ٹیلنٹڈ بھی۔" ندا اُس کی بات کاٹ کر دبی دبی آواز میں چیخ پڑی۔ لیکن ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہمارے سارے ٹیلنٹ کو تم لوگ ڈالروں سے خرید لیتے ہو، تمہارے پاس تمہارا اپنا کیا ہے۔ کبھی فرصت ملے تو ایمانداری سے اپنا محاسبہ کر دیکھنا جوزفین کہ سپر پاور بننے میں تمہارا اپنا کتنا ہاتھ ہے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے کہ ہم کچھ بھی نہیں۔" جوزفین کا انداز اب بھی چڑانے والا تھا۔

"صرف بیس فی صد باقی اسی فی صد اِدھر اُدھر سے مستعار لیے ہوئے ٹیلنٹڈ لوگ ہیں۔ جن کے بل پر تم اتنا اترا رہی ہو۔ دوسروں کا کیا کہوں۔ خود ہمارے ہاں کے ڈاکٹر عبد السلام یہاں موجود ہیں۔"

"ندا پلیز، خاموش ہو جاؤ۔" خولہ نے اُس کا ہاتھ دبا کر کہا لیکن وہ بہت جذباتی ہو رہی تھی۔

"کیوں خاموش ہو جاؤں، مجھے اسے بتانے دو کہ ہماری ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ خود ہیں جو اس وقت ہمیں ترقی پذیر ہونے کا طعنہ دے رہی ہے۔ ہمارے ہاں جب خالد و طارق پیدا ہوتے ہیں سب سے پہلے یہ ان کا سر کچل دیتے ہیں۔ لیکن ایسا ہمیشہ نہیں ہوگا۔ ہماری یا ہماری آنے والی نسل میں کوئی ایسا ضرور ہوگا۔ جسے ان کے ڈالروں کی چمک دمک متاثر نہ کر سکے گی۔"

"چھوڑو ندا! مت اس بحث میں اُلجھو، چلو دیکھتے ہیں شہروز کہاں ہے۔" وہ مارک سے معذرت کرتی ہوئی ندا کو تقریباً گھسیٹ کر دوسری طرف لے گئی۔

واپسی میں ندا کا موڈ سخت آف تھا۔ وہ مسلسل، جوزفین کو گالیاں دیتی رہی۔

"اُلو کی پٹھی۔ سمجھتی کیا ہے اپنے آپ کو۔ آئندہ میرے منہ لگنے کی کوشش کی تو گلا دبا دوں گی اُس کا۔"

"تمہیں کیا ضرورت تھی اُس سے بات کرنے کی۔"

"بات میں نے نہیں اُس نے شروع کی تھی۔" وہ اب بھی غصے میں تھی۔

"چلو دفع کرو۔" خولہ موضوع ختم کرنے کی غرض سے بولی۔

"کیسے دفع کروں، اتنی حقارت ہوتی ہے اُس کے لہجے میں، مجھ سے برداشت نہیں ہوتی۔"

"ہر ایک کا اپنا انداز ہوتا ہے، ہو سکتا ہے، اُس کا بات کرنے کا انداز ہی ایسا ہو۔"

"تم دونوں کوئی اور بات نہیں کر سکتیں؟" شہروز اُن کی گفتگو سے اکتا کر کہنے لگا۔

"بالکل کر سکتے ہیں۔" ندا اپنا موڈ بدلتے ہوئے کہنے لگی۔ "اب ذرا دل تھام کر سنو کہ ڈاکٹر زوا گوکار شتے دار مارک خولہ کی بہت تعریف کر رہا تھا۔"

"کیا؟" وہ چیخ پڑا۔ "خولہ سے پوچھ لو۔"

"بکواس کر رہی ہے یہ۔" وہ اُس کے بازو میں چٹکی کاٹتی ہوئی بولی تو وہ ہنس پڑی۔

اگلے دن وہ دونوں لنچ ٹائم میں کیفے ٹیریا میں داخل ہوئیں تو اُن کی مخصوص جگہ پر پہلے ہی سے جوزفین بیٹھی تھی۔

''آؤ، ہم وہاں چل کر بیٹھتے ہیں۔'' وہ ندا کا ہاتھ پکڑ کر جیسے ہی دوسری طرف جانے لگی۔ ندا نے اُس کے ہاتھ پر اپنی گرفت مضبوط کر لی۔

''نہیں، ہم اپنی جگہ پر بیٹھیں گے۔''

''وہاں ہمارا نام نہیں لکھا؟''

''نہ لکھا ہو نام، ہم پھر بھی وہیں بیٹھیں گے، آؤ۔''

وہ اُس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتی ہوئی وہیں لے گئی۔ جہاں جوزفین بیٹھی تھی، وہ بڑے اطمینان سے جوزفین کے سامنے بیٹھی اور خولہ کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کرنے لگی۔ جوزفین نے لمحہ بھر کو اُس کی طرف دیکھا پھر برگر کھانے میں مصروف ہو گئی۔

''خولہ! تم پلیز میرے لیے جوس لیتی آنا۔''

''کیوں کچھ کھاؤ گی نہیں۔''

''نہیں، اس وقت کچھ کھانے کی خواہش نہیں ہے۔'' خولہ چپ چاپ چلی گئی اور جب وہ اپنے لیے برگر اور اس کے لیے جوس لے کر واپس آئی تو وہ جوزفین کو مکمل طور پر نظر انداز کیے دوسری طرف دیکھ رہی تھی۔

''تمہاری دوست شاید مجھ سے خفا ہے۔'' اس کے بیٹھتے ہی جوزفین ندا کی طرف اشارہ کرتی ہوئی کہنے لگی۔

''میں کیوں تم سے خفا ہوں گی۔'' وہ فوراً بول پڑی لہجہ اکھڑا اکھڑا سا تھا۔

''تم بہت جذباتی ہو ندا! جوزفین اب براہِ راست اُس سے مخاطب تھی۔'' اور جذباتی بندے کبھی کبھی بہت نقصان اُٹھاتے ہیں۔ یقین کرو، مجھے تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے، میں تو صرف یہ چاہتی ہوں کہ تم لوگ جس مقصد کے تحت یہاں آئے ہو، اُسے حاصل کرو اور واپس اپنے گھر کی راہ لو۔''

''تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ ہمارا یہاں مستقل رہنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔''

''یہ بات تم صرف اپنے بارے میں یقین سے کہہ سکتی ہو۔ دوسروں کے بارے میں نہیں۔ ان لوگوں کو بھی سمجھاؤ۔ جنہوں نے صرف گرین کارڈ کو زندگی کا حاصل سمجھ لیا ہے۔ اور میرا خیال ہے کہ تم اچھی طرح جانتی ہو گی کہ تمہارے ہاں کے لوگ گرین کارڈ کے حصول

کی، خاطر کیا کیا کر گزرتے ہیں۔''

وہ خولہ کی طرف دیکھنے لگی یوں جیسے پوچھ رہی ہو کہ یہ لڑکی اُسے کیا سمجھانا چاہتی ہے۔ خولہ اس کی نظروں کا مفہوم سمجھ گئی تھی۔ اس لیے آنکھوں ہی آنکھوں میں اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کرنے لگی۔

''تمہیں اگر بُرا لگتا ہے تو میں آئندہ تم سے ایسے کسی مسئلے پر بات نہیں کروں گی۔ لیکن میں اپنا مشن نہیں چھوڑ سکتی۔ میں جہاں تک ہو سکا تمہارے ہاں سے آنے والے لوگوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کروں گی کہ اپنے گھر کی راہ لو۔''

''کیوں تم نے ٹھیکہ لے رکھا ہے؟'' ندا کے تمسخرانہ لہجے پر وہ چیخ پڑی۔

''ہاں، میں نے ٹھیکہ لے رکھا ہے۔''

''وہی تو پوچھ رہی ہوں کیوں؟''

''اس لیے۔ اس لیے ندا جہانگیر کہ میرا باپ بھی پاکستانی تھا۔''

''کیا۔؟'' اس کے ساتھ ساتھ خولہ بھی چیخ پڑی۔

''ہاں، وہ صرف اُس وقت تک ہمارے ساتھ رہا جب تک اُسے گرین کارڈ نہیں مل گیا۔ اس کے بعد وہ سارے ناتے توڑ کر جانے کہاں چلا گیا۔ میں پوچھتی ہوں کیا اُس کے اس طرح چلے جانے سے مرا اس سے رشتہ ٹوٹ جائے گا۔ کبھی نہیں، میری ولدیت کے خانے میں ہمیشہ اُس کا نام لکھا رہے گا۔''

''آئی ایم سوری جوزفین اگر تم پہلے ہی بتا دیتیں تو۔''

''ہونہہ۔!'' وہ تلخ ہو گئی۔ ''بار بار اپنی داستان دہراتے ہوئے میں اپنی ہی نظروں میں گر جاتی ہوں۔ کچھ بھی سہی، وہ ہے تو میرا باپ۔ میری رگوں میں دوڑتا ہے، جانے کیا کشش ہے، اُس کے خون میں کہ میرا دل اس کی طرف کھنچتا ہے۔ پتا نہیں کبھی اُس نے بھی میرے لیے سوچا ہو گا کہ نہیں۔ کیا تمہارے ہاں کے سب لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔'' وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگیں۔

''تمہاری ممی کہاں ہیں؟'' ندا بہت آہستہ آواز میں پوچھنے لگی۔

''وہ اپنے گھر میں خوش باش ہیں۔''

''تم کہاں رہتی ہو؟''

گے۔"

"کیا وہ ہمارے ساتھ جانے پر رضامند ہو جائے گی.....؟"

"کیوں نہیں، جب اُسے اپنے باپ کی کشش کھینچتی ہے اُس مٹی میں بھی اُس کے لیے ضرور کشش ہوگی۔"

"یہ تو ہے۔"

"لیکن سنو، تم ابھی سے اُس سے جانے کی بات مت کہہ دینا۔ ہم پہلے اُس کے خیالات دیکھیں گے کہ وہ کیا چاہتی ہے۔"

"اب میں اتنی بیوقوف بھی نہیں ہوں۔"

"بیوقوف نہیں ہو لیکن جلد باز ضرور ہو۔"

"واقعی جلد باز تو ہوں۔" ندا نے فوراً اعتراف کیا۔ "یہاں آنے کا فیصلہ بھی جلد بازی میں کیا تھا۔ جبھی تو پچھتا رہی ہوں۔"

"یہ سارا پچھتاوا اُس وقت دور ہو جائے گا جب یہاں سے ایم ڈی کی ڈگری لے کر جاؤ گی۔"

"ابھی بہت وقت ہے۔"

"کوئی زیادہ وقت نہیں ہے، گزرتے پتا بھی نہیں چلے گا۔"

"تم اپنے بارے میں کہہ سکتی ہو۔ کیونکہ وہ خوبصورت ساتھی جو ساتھ ہے۔" پھر اچانک چونک کر کہنے لگی۔ "خولہ جوزفین کے بارے میں شہروز سے بھی مشورہ کر لیتے ہیں۔"

"ہاں صبح جاتے ہوئے اس سے بات کر لیں گے۔"

لیکن جب شہروز نے سنا تو اس نے نہ صرف ان دونوں سے اختلاف کیا بلکہ انہیں سختی سے جوزفین کے معاملے میں پڑنے سے منع بھی کیا۔ لیکن وہ ندا ہی کیا جو کسی بات کا ارادہ کر لے اور اسے پورا نہ کرے لہٰذا اس نے پُرزور دلائل سے شہروز کو قائل کر کے ہی چھوڑا۔ یوں تھوڑی سی کوشش کے بعد وہ جوزفین کو اپنے ساتھ رہنے پر آمادہ کر سکیں۔

جس روز وہ اپنا گھر جہاں وہ پے انگ گیسٹ کے طور پر رہتی تھی۔ چھوڑ کر ان کے اپارٹمنٹ میں منتقل ہوئی۔ اسی رات انہوں نے کھانے پر شہروز کو بھی بلایا۔ کھانے کے بعد

چاروں بہت دیر تک باتیں کرتے رہے تھے۔ اس دوران جوزفین کھل کر ان کے سامنے آئی تھی۔ وہ فطرتاً اچھی لڑکی تھی، بس کسی کسی وقت ذرا جذباتی ہو جاتی تھی۔ فوری طور پر انہوں نے اُسے کسی بات پر مجبور نہیں کیا۔ اور نہ ہی اپنی کوئی بات زبردستی اُس پر مسلط کرنے کی کوشش کی تھی۔ رفتہ رفتہ وہ خود ہی اُن کے سانچے میں ڈھلتی گئی تھی اور اُس روز تو اُن کی خوشی کی انتہا نہ رہی جب اُس نے مکمل طور پر جوزفین کا خاتمہ کر دیا اور اپنے آپ کو عائشہ کہلوانے میں فخر محسوس کرنے لگی۔

☆☆☆

اُن کے سمسٹر قریب تھے اور ساتھ ہی عید بھی آنے والی تھی۔ انہوں نے عید کی تیاری سمسٹر کے بعد کے لیے اُٹھا رکھی اور اپنی ساری توجہ پڑھائی پر مرکوز کر دی۔

جس روز سمسٹر ختم ہوئے، انہوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ یہاں تو سمسٹر کے بعد دس دن کی چھٹیاں ملتی تھیں۔ لیکن اس بار عید کی وجہ سے انہیں تین دن کی اضافی چھٹیاں بھی مل گئیں، جس سے بھرپور فائدہ اُٹھاتے ہوئے، پہلے انہوں نے اپنے جمع شدہ کام کیے اس کے بعد عید کی شاپنگ میں لگ گئیں۔

"خولہ! اس عید کو یادگار طور پر منائیں گے۔" ندا خاص پُرجوش تھی۔ اُس نے مسکرا کر سر ہلایا تو وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔

"ہو سکتا ہے، کبھی میں کوئی بہت بڑی آدمی بن جاؤں اور اخبار والے میرا انٹرویو لیتے ہوئے پوچھیں کہ کبھی آپ کو پردیس میں عید منانے کا اتفاق ہوا۔ تب میں اپنی اس عید کا احوال مزے لے لے کر سناؤں گی۔" اُس کے ساتھ ساتھ عائشہ بھی ہنس پڑی۔

"کیوں کیا مجھ میں بڑا آدمی بننے کے جراثیم نہیں ہیں۔" وہ اُن دونوں کے ہنسنے پر پوچھنے لگی۔

"ضرورت سے زیادہ ہیں۔" عائشہ فوراً بول پڑی۔

"مجھے خدشہ ہے ندا! کہ اگر تمہارے بھائی آ کر تمہیں واشنگٹن لے گئے تو۔ ہماری عید تو بے مزہ ہو جائے گی۔"

"تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں بھائی کو پہلے ہی منع کر چکی ہوں، لہٰذا ہر قسم کے خدشے سے آزاد ہو جاؤ۔"

''واقعی تم کتنی اچھی ہو ندا۔'' خولہ کے کہنے پر وہ ہنس پڑی۔

''اب تو مان جاؤ کہ میں ہر کام تمہاری خاطر کرتی ہوں۔''

''میں مانتی ہوں اور وہ کام بھی جو کرنے کے نہیں ہوتے، وہ بھی تم میری خاطر ہی کرتی ہو۔'' خولہ معنی خیز انداز سے ہنستی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

چاندرات کو..... وہ مختلف چیزیں بنانے میں لگی رہی جبکہ ندا اطمینان سے بیٹھی عائشہ کے ہاتھوں میں مہندی لگاتی رہی۔ جس وقت وہ کچن کے کاموں سے فارغ ہو کر آئی ندا اُس سے کہنے لگی۔

''جلدی آؤ، تمہارے ہاتھوں میں بھی مہندی لگا دوں۔''

''نہیں مجھے شوق نہیں ہے۔'' اُس نے فوراً اپنے ہاتھ پیچھے کر لیے۔

''شوق کی کیا بات ہے، جب ہم لگا رہے ہیں تو تم بھی لگاؤ۔''

''کیا یہ ضروری ہے؟''

''بالکل ضروری ہے، جلدی آؤ۔''

''آؤ ناں۔'' عائشہ بھی اصرار کرنے لگی۔ ''دیکھو، اس نے میرے ہاتھوں کو کتنا خوبصورت بنا دیا ہے۔''

اُس نے لمحہ بھر..... عائشہ کی طرف دیکھا۔ پھر خاموشی سے ندا کے سامنے بیٹھتے ہوئے اپنے ہاتھ اُس کی طرف بڑھا دیے۔ اور ابھی ندا اُس کے ہاتھ پر مہندی لگا ہی رہی تھی کہ شہروز آ گیا۔ وہ ان تینوں کے لیے چوڑیاں لایا تھا۔

''بس انہی کی کمی تھی۔'' ندا اُس کا ہاتھ چھوڑ کر پیکٹ میں سے چوڑیاں نکال کر دیکھنے لگی۔ رنگ برنگی چوڑیاں بڑی بھلی لگ رہی تھیں۔

''تھینک یو شہروز! آپ نے بڑی تکلیف کی۔''

''تکلیف کیسی؟''

''ہم تو ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گئے تھے۔'' وہ اپنے ہاتھ میں چوڑیاں ڈالتے ہوئے بھول ہی گئی کہ وہ خولہ کے ہاتھ میں مہندی لگا رہی تھی۔

''ندا! پہلے اسے تو مکمل کرو ورنہ میں ہاتھ دھونے جا رہی ہوں۔''

''خبردار، بس دو منٹ صبر کرو۔''

''لاؤ، اُسے میں مکمل کر دوں۔'' شہروز نے اُس کا ہاتھ کلائی سے تھام کر اپنی طرف کر لیا۔

''تم۔'' وہ حیران ہو کر اُس کی طرف دیکھنے لگی۔

''یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔'' اس کے ساتھ ہی اُس نے کون لے کر اُس کے ہاتھ پر ڈیزائن بنانا شروع کر دیا۔ وہ چپ چاپ دیکھتی رہی ندا خود چوڑیاں پہننے کے بعد عائشہ کو پہنانے میں لگ گئی تھی۔

''ارے! آپ نے تو کمال کر دیا۔'' چوڑیوں سے فارغ ہونے کے بعد ندا جیسے ہی اُن دونوں کی طرف متوجہ ہوئی تو اُس کے ہاتھ پر بنا خوبصورت ڈیزائن دیکھ کر بے اختیار تعریف کرنے لگی۔

''اصل کمال تو اب کر رہا ہوں۔'' اس کے ساتھ ہی اُس نے ہتھیلی کے درمیان میں مہندی سے اپنا نام لکھ دیا۔

''شہروز!'' اُس نے آہستہ سے بُڑبڑاتے ہوئے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

''مٹا نا مت، اچھا لگ رہا ہے۔''

''یہ مٹانا بھی چاہے تو نہ مٹا سکے گی۔'' شہروز کا انداز والہانہ تھا اور آنکھوں میں مخصوص چمک جو اُسے نروس کر دیتی تھی۔ وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔ اور پھر اس سے پہلے کہ وہ تینوں اُسے روکتے وہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔

صبح وہ بہت جلدی اُٹھ گئی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد وہ لیونگ روم میں سے چیزیں سمیٹنے لگی، جو رات ندا نے یونہی چھوڑ دی تھیں۔ ساتھ ساتھ وہ اُن دونوں کو آواز بھی دیتی جا رہی تھی لیکن وہ دونوں کسمسا کر پھر سو جاتیں۔ لیونگ روم سیٹ کرنے کے بعد وہ اُن دونوں کے سر پر پہنچ گئی۔

''یہ تمہاری یادگار عید ہے، جو ابھی تک پڑی سو رہی ہو۔'' وہ ندا کے اوپر سے کمبل کھینچتی ہوئی کہنے لگی۔

''کیا کریں گے اتنی جلدی اُٹھ کر؟''

''تیار ہو جاؤ، تمہاری تیاری میں بھی دو گھنٹے لگیں گے۔''

''چھوڑو ہم نے کس کے لیے تیار ہونا ہے۔'' ندا کروٹ بدلتے ہوئے پھر سونے

لگی۔

''ٹھیک ہے، میں نے بھی رات جتنی چیزیں تیار کی ہیں۔ وہ سب آس پاس کے لوگوں کو دے آتی ہوں تم لوگ سوتی رہو، آرام سے۔'' اُس کی دھمکی کام کر گئی۔ دونوں فوراً کمبل پھینک کر اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

''خبردار ہمارے پیٹ پر لات مارنے کی کوشش مت کرنا۔ وہ ہنستی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی۔

وہ دونوں ابھی تک اپنی تیاری میں لگی ہوئی تھیں۔ جب کہ وہ تیار ہونے کے بعد کچن میں آ کر کباب بنانے لگی۔ قیمہ اس نے رات ہی پیس کر رکھ لیا تھا۔ اب بس تلنا باقی تھا۔ اس نے سوچا، کباب تلتے ہی وہ ساری چیزیں ٹیبل پر رکھ دے گی اور اگر دونوں نے ساتھ دیا تو ٹھیک ورنہ وہ اکیلی ہی کھانے بیٹھ جائے گی۔ کیونکہ بڑے زوروں کی بھوک لگ رہی تھی۔ کباب تلنے کے بعد اس نے چولھا بند کرنے کے..... بجائے چائے کا پانی رکھ دیا اور ابھی کچن سے نکلی ہی تھی کہ بیل بجنے لگی۔ وہ کیونکہ دروازے کے قریب ہی تھی۔ اس لیے فوراً دروازہ کھول دیا۔ سامنے شہروز کھڑا تھا۔

''عید مبارک!'' اس نے پیشانی پر ہاتھ لے جاتے ہوئے سلام کا اشارہ کیا اور زبان سے عید مبارک کہا۔ بڑا خوبصورت انداز تھا۔ وہ بے خیالی میں اس کی طرف دیکھے گئی۔

''کیا یہیں سے واپس چلا جاؤں؟'' وہ شرارت سے پوچھنے لگا اور وہ کچھ خجل سی ہو کر دروازے سے ہٹ گئی۔

''آیئے۔''

''وہ دونوں کہاں ہیں؟'' وہ اندر آتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''تیار ہو رہی ہیں۔ تم بیٹھو، میں ناشتا لے کر آتی ہوں۔'' وہ جیسے ہی جانے لگی، اس نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''سنو، میرے آتے ہی تم اِدھر اُدھر بھاگنے کے بہانے کیوں ڈھونڈنے لگتی ہو.....؟''

''نہیں تو۔''

''اگر نہیں۔ تو آؤ میرے ساتھ بیٹھو۔''

''ناشتا نہیں کرو گے؟''

''وہ بھی کرلوں گا لیکن پہلے۔''

''دیکھو، ندا اِدھر ہی آ رہی ہے۔'' وہ جلدی سے اپنا ہاتھ چھڑا کر کچن میں چلی گئی۔

جس وقت وہ ٹرے میں ڈھیرے سارے لوازمات لیے واپس آئی۔ وہ دونوں اس کے پاس بیٹھی تھیں۔

''یہ دونوں کوئی کام نہیں کرتیں؟'' وہ اسے دیکھتے ہی پوچھنے لگا۔

''انہی دونوں سے پوچھو۔''

''کیوں بھئی؟''

''ہمیں اتنی مزیدار ڈشز پکانی آتی ہی نہیں۔'' ندا پورا کباب منہ میں رکھتی ہوئی اطمینان سے بولی۔

''لیکن تم لوگ اس کا ہاتھ تو بٹا سکتی ہو۔''

''بالکل، دیکھیے گا۔ ابھی میں کتنی فرسٹ کلاس چائے بنا کر لاؤں گی۔'' پھر اُٹھتے ہوئے کہنے لگی ''آؤ عائشہ! چائے بنالائیں۔''

''عائشہ کو کہاں لے جا رہی ہو؟'' وہ فوراً بول پڑی۔

''یہ یہاں بیٹھ کر کیا کرے گی، ویسے بھی تم دونوں.....'' باقی جملہ روک کر اس نے شرارت سے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبایا اور عائشہ کا ہاتھ کھینچتی ہوئی کچن میں لے گئی۔

''لڑکی خاصی سمجھدار ہے۔'' وہ اس کے جاتے ہی کہنے لگا۔

''لیکن تم مجھے نروس کرنے والی بات مت کرنا ورنہ میں بھی اٹھ کر چلی جاؤں گی۔'' وہ ہنس پڑا۔

''لاؤ، اپنی مہندی دکھاؤ۔ کیسی لگی ہے؟'' وہ ہتھیلی کھول کر دکھانے لگی۔

''تمہیں اپنا نام نہیں لکھنا چاہیے تھا۔''

''کیوں؟''

''کسی اور کی نظر پڑ گئی تو پتا نہیں کیا سوچے اور پھر اسے مٹتے مٹتے بھی وقت لگے گا۔''

''کیا تم اسے مٹانا چاہتی ہو.....؟''

''ہاں.....!''

اس کی آنکھوں کی مخصوص چمک ماند پڑنے لگی۔ تب وہ فوراً بولی۔

''دل کی تختی پر جو لکھا ہے، وہ تو انمٹ ہے۔ پھر یہاں لکھ کر زمانے کو دکھانے کی کیا ضرورت ہے۔''

''خولہ.....!'' وہ بے اختیار اس کا ہاتھ تھام کر کہنے لگا۔ ''تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔''

''اچھا میرا ہاتھ چھوڑو۔''

''میرا خیال ہے، پہلے مجھے کچھ عہد و پیمان کر لینے دو۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے فوراً اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

''کیوں.....؟''

''ہمیں ایک دوسرے کا یقین رکھنا چاہیے۔'' وہ کچھ دیر تک اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر کہنے لگا۔

''سنو، میری تعلیم تو ختم ہوگئی۔ اب تمہارا کیا خیال ہے، میں اسپیشلائزیشن کے لیے رک جاؤں یا واپس جاؤں؟''

''یہ تو تم اپنے گھر والوں سے پوچھو۔''

''انہوں نے مجھ پر چھوڑ دیا ہے۔''

اور تم کیا چاہتے ہو.....؟''

''میں اگر رکنا بھی چاہوں گا تو صرف تمہارے لیے اور اسی بہانے اسپیشلائزیشن بھی کرلوں گا۔'' فوری طور پر وہ اس کا جواب نہیں دے سکتی تھی، اس لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں دیکھتی ہوں، یہ دونوں چائے بنا رہی ہیں یا.....؟''

''میری بات کا جواب نہیں دو گی.....؟''

''میں کیا کہوں جو تمہارا دل چاہے کرو۔'' وہ جیسے ہی جانے لگی ندا چائے لیے آ گئی۔

''ارے تم کھڑی کیوں ہو.....؟''

''میں تمہارے پاس آ رہی تھی۔ اتنی دیر لگا دی چائے بنانے میں۔''

''ہائیں! میں تو سمجھی تھی تم مجھے دعائیں دے رہی ہو گی۔''

''بکو مت۔'' وہ اسے گھورتے ہوئے بولی اور پھر شہروز کو چائے دینے کے بعد اپنا کپ لے کر عائشہ کے ساتھ بیٹھ گئی۔

پھر سارا دن ان چاروں نے مختلف گیمز کھیلتے ہوئے گزارا۔ کبھی کیرم، کبھی کارڈز اور شام میں واک کے لیے نکلے تو بہت دور تک نکل گئے۔

اگلا دن انہوں نے زیادہ وقت سونے میں گزارا اور عید کے تیسرے دن وہ اپنے معمول کے مطابق اٹھ گئی۔ صبح کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس نے اپنے لیے چائے بنائی اور مگ لیے ہوئے بالکونی میں آ کھڑی ہوئی۔ اور ایسے وقت جب وہ تنہا ہوتی تھی تو اسے اپنا گھر یاد آنے لگتا تھا۔ اس وقت بھی وہ ممی کو یاد کرتے ہوئے کچھ اداس سی ہوگئی۔

''کتنی تنہا ہوں گی ممی!'' اس نے سوچا۔ ''پتا نہیں میرے بغیر انہوں نے عید کا دن کیسے گزارا ہوگا۔ اور ڈیڈی ہمیشہ عید کے تیسرے دن میرے پاس آیا کرتے تھے آج وہ سوچ رہے ہوں گے کہ خولہ تو ہے نہیں پھر کیونکر جاؤں۔''

اچانک کال بیل کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ اس کا خیال تھا شہروز ہوگا۔ لیکن جب دروازہ کھول کر دیکھا تو سامنے ڈیڈی کھڑے تھے۔ وہ بے اختیار اُن سے لپٹ گئی۔

''میں ابھی ابھی آپ کو یاد کر رہی تھی۔'' وہ انہیں لیے ہوئے اپنے کمرے میں آ گئی۔

''صرف یاد کر رہی تھیں، میرے آنے کے بارے میں نہیں سوچا تھا؟''

''یہی سوچ رہی تھی کہ آپ ہمیشہ آج کے دن میرے پاس آتے ہیں۔''

''ہمیشہ آتا رہا ہوں تو پھر آج کیوں نہ آتا بیٹا؟''

''ڈیڈی! مجھے آپ کو دیکھ کر بہت خوشی ہو رہی ہے۔ گھر میں سب لوگ کیسے ہیں؟''

''سب ٹھیک ہیں۔ میں تمہاری ممی کے پاس سے بھی ہو کر آیا ہوں۔ وہ بھی ٹھیک ہیں۔ انہوں نے تمہیں بہت سارا پیار اور دعائیں بھیجی ہیں۔''

''میرے آنے سے تو ممی بہت اکیلی ہوگئی ہوں گی۔'' وہ سر جھکا کر پوچھنے لگی۔

''ہاں، لیکن تم فکر نہ کرو۔ وہ بہت بہادر عورت ہے۔'' وہ چپ چاپ ان کی طرف دیکھنے لگی جو اپنی بات کہہ کر قریب رکھا میگزین اٹھا کر دیکھنے لگے تھے۔

''ڈیڈی! آپ آرام سے لیٹ جائیں۔ میں آپ کے لیے ناشتا لے کر آتی ہوں۔''

انہوں نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا تو وہ کمرے میں نکل آئی۔

کچن میں جانے سے پہلے اس نے ندا کے کمرے میں جھانک کر دیکھا۔ وہ دونوں اٹھ تو چکی تھیں لیکن اپنے کمبل سے نہیں نکلی تھیں۔

''کیا مسئلہ ہے؟'' اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔ ''تم کمبل کو نہیں چھوڑ رہیں یا کمبل تمہیں نہیں چھوڑ رہا۔''

''کمبل ہمیں نہیں چھوڑ رہا۔'' دونوں ایک ساتھ بولیں ''اب بے چارے کمبل کا دل بھی تو نہیں توڑا جاسکتا ناں۔''

''اچھا! اب اٹھ جاؤ۔ میں ناشتا بنانے جارہی ہوں۔''

''سنو! تم زحمت مت کرو۔ ہم خود ہی بنالیں گے ورنہ تمہارے شہروز صاحب کہیں گے.....''

''اس وقت شہروز نہیں میرے ڈیڈی آئے ہیں۔'' وہ خوشی سے بتانے لگی۔

''واقعی.....''

''ہاں اور میں انہی کے لیے ناشتہ بنانے جارہی ہوں تم دونوں بھی اگر ہمارا ساتھ دینا چاہو تو اٹھ جاؤ۔'' ندا فوراً کمبل پھینک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر عائشہ سے کہنے لگی۔

''آؤ عائشہ! پہلے انکل سے مل آئیں۔ ابھی ابھی پاکستان سے آرہے ہیں۔ ان میں سے اپنے دیس کی خوشبو آرہی ہوگی۔''

''منہ دھو کر جانا۔ ڈیڈی کو میلے چہرے اچھے نہیں لگتے۔''

''کیا.....؟'' ندا کے چیخنے پر وہ ہنستی ہوئی کمرے سے نکل آئی۔

وہ جانتی تھی ڈیڈی میٹھا بہت پسند کرتے ہیں۔ اس لیے پہلے اس نے سویاں بنائیں۔ اس کے بعد ایک چولھے پر چائے کا پانی رکھا اور دوسرے پر سلائس گرم کرنے لگی۔

''سنو، تم اپنے ڈیڈی کے پاس جاؤ۔ باقی کام میں کرلیتی ہوں۔'' عائشہ اس کے قریب آکر بولی۔

''تم میرے ڈیڈی سے نہیں ملوگی؟'' وہ اپنے کام میں مصروف تھی اس لیے عائشہ کے تاثرات نہ دیکھ سکی جو اس کی بات پر بجھ سی گئی تھی۔ پھر اچانک اس کی غیر معمولی خاموشی محسوس کر کے وہ اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''عائشہ! آؤ۔ میں تمہیں ڈیڈی کے پاس لے چلوں۔''

''تم جاؤ خولہ! میں یہیں ٹھیک ہوں۔''

''ارے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ چلو، ڈیڈی تم سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔''

''اچھا پہلے ناشتا تو بنالو۔''

''ناشتا بھی بس تیار ہی ہے۔ اور یہ ندا کہاں ہے؟''

''وہ تمہارے ڈیڈی کے پاس ہے۔''

''اچھا!'' اس نے جلدی سے ٹرے میں سب چیزیں رکھیں۔ اور چائے دم کرتے ہوئے بولی ''چلو، تم یہ ٹرے اٹھالو۔'' عائشہ نے ٹرے اٹھالی تو ٹی پاٹ اٹھا کر اس کے پیچھے چل پڑی۔

ڈیڈی واقعی عائشہ سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ ناشتے کے دوران انہوں نے بہت محبت سے اسے اپنے پاس بٹھایا اور ندا اور خولہ کے اس اقدام کی تعریف کی کہ وہ عائشہ کو اپنے پاس لے آئی تھیں۔ جس وقت وہ دونوں کچن میں تھیں۔ ندا نے اسی وقت ڈیڈی کو عائشہ کے بارے میں بتادیا تھا۔ اور وہ ایک بات جو وہ بہت دنوں سے کہنا چاہ رہی تھیں۔ وہ ڈیڈی نے ایک دم ہی کہہ کر ان دونوں کی مشکل حل کردی۔ وہ کہہ رہے تھے۔

''بیٹا! آپ پڑھائی ختم ہوتے ہی پاکستان آجانا۔'' وہ چپ چاپ ان کی طرف دیکھنے لگی۔

''انکل ٹھیک کہہ رہے ہیں عائشہ! تم ہمارے ساتھ ہی چلانا۔'' ندا بھی فوراً بول پڑی۔

اس نے خاموشی سے سر جھکالیا۔

''ڈیڈی! اگر آپ آرام کرنا چاہیں تو ہم دوسرے کمرے میں چلے جاتے ہیں۔'' خولہ برتن سمیٹتے ہوئے بولی۔

''نہیں بیٹا! تم جلدی سے تیار ہوجاؤ۔ تمہیں اس وقت میرے ساتھ چلنا ہے۔''

''کہاں؟'' وہ ہاتھ روک کر پوچھنے لگی۔

''میں یہاں ایک ہوٹل میں ٹھہرا ہوں اور چاہتا ہوں کہ تمہاری جو چند دن کی چھٹیاں ہیں، ان میں تم میرے ساتھ رہو۔''

''ٹھیک ہے۔'' وہ جلدی سے خالی برتن لے کر کچن میں گئی۔ پھر جس وقت ڈیڈی کے ساتھ جارہی تھی ندا اور عائشہ دونوں ہی اسے گھور گھور کر دیکھنے کے ساتھ منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اشارہ کررہی تھیں کہ واپسی پر تمہاری خیر نہیں ہے اور وہ ان کے اشارے سمجھ کر ہنستی رہی۔

اس کی پانچ دن کی چھٹیاں باقی تھیں اور یہ دن اس نے ڈیڈی کے ساتھ گزارے۔ ان دونوں وہ زندگی میں پہلی بار ڈیڈی کی محبتوں اور شفقتوں کی بلاشرکت غیر مالک رہی کہ اسے اتنی جلدی دن گزر جانے کا افسوس ہوتا رہا۔ وہ کچھ وقت اور ان کے ساتھ رہنا چاہتی تھی۔ لیکن مجبوری تھی۔ اس کی کلاسز شروع ہونے والی تھیں اور انہیں واپس جانا تھا ان چند دنوں میں اسے خوب تفریح کرائی تھی اور وعدہ کیا تھا کہ اگلی بار وہ اس کے سمسٹر ختم ہوتے ہی آئیں گے اور اسے کینیڈا لے جائیں گے۔ وہ جانتی تھی ڈیڈی کو سیاحت کا بہت شوق ہے۔ جبھی تو بقول ممی وہ سال میں چھے مہینے باہر رہتے تھے۔

اور اس شام وہ ڈیڈی کے سامنے واپس آئی تو کوریڈور میں ہی اس کی مڈبھیڑ شہروز سے ہوگئی۔ کیونکہ ڈیڈی ساتھ تھے۔ اس لیے وہ مکمل طور پر اسے نظر انداز کر گئی۔ لیکن دوسرے ہی پل وہ ان کے سامنے کھڑا تھا اور ڈیڈی اس کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے حیرت اور خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ وہ حیران ہو کر دیکھنے لگی۔

"مجھے معلوم تو تھا کہ تم امریکہ میں ہو لیکن یہ علم نہیں تھا کہ یہاں بوسٹن میں ہو۔" ڈیڈی کہہ رہے تھے۔

"میں خولہ کے ساتھ ہی یونیورسٹی آف بوسٹن میں تھا۔ اب تو خیر میری تعلیم مکمل ہوگئی ہے۔"

تو پھر کیا واپسی کا ارادہ ہے؟"

"ابھی میں فیصلہ نہیں کر پایا کہ واپس جاؤں یا..... اسپیشلائزیشن کے لیے مزید چند سال یہاں رکوں۔" اپنی بات کہہ کر وہ خولہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"اسے میرے ساتھ دیکھ کر تم سمجھ گئے ہوگے کہ یہ میری بیٹی ہے۔" ڈیڈی اس کے کندے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہنے لگے۔

"جی.....!"

"اور خولہ بیٹا! یہ تمہاری آنٹی زہرا (ڈیڈی کی دوسری بیوی) کا بھتیجا ہے۔"

"آنٹی زہرا۔" بند ہونٹوں کے اندر یہ نام دہراتے ہی اسے احساس ہوگیا کہ کہیں کوئی غلطی ضرور ہوگئی ہے اور یہ احساس اتنا شدید تھا کہ جس نے اسے اطراف سے مکمل طور پر بیگانہ کر دیا۔ پتا نہیں ڈیڈی اور اس کے درمیان کیا کیا باتیں ہوتی رہیں۔ وہ بالکل نہیں سن

سکی۔ چونکہ اس وقت جب ڈیڈی اس کا کندھا ہلاتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"چلو بیٹا میری فلائٹ کا ٹائم بھی ہونے والا ہے۔" وہ جیسے اپنے آپ کو گھسیٹتی ہوئی اندر تک آئی تھی۔

پھر ڈیڈی بہت تھوڑی دیر اس کے پاس بیٹھے۔ اس کے بعد آئندہ سمسٹر کے بعد آنے کا کہہ کر چلے گئے۔ وہ ڈیڈی کو دروازے تک چھوڑ کر واپس اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی کہ ندا نے اس کا راستہ روک لیا۔

"جا کہاں رہی ہو۔ چلو ہمارے پاس بیٹھو۔"

"نہیں ندا! پلیز۔ اس وقت مجھے مت چھیڑو۔ میں بہت اَپ سیٹ ہو رہی ہوں۔ تمہیں کمپنی نہیں دے سکوں گی۔"

"تمہیں کیا ہوا ہے؟" ندا اس کے زرد پڑتے چہرے کو بغور دیکھتی ہوئی پوچھنے لگی۔

"پتا نہیں۔" اس کے مزید سوالات سے بچنے کے لیے وہ اسے دھکیلتی ہوئی اپنے کمرے میں آگئی۔ دروازہ اندر سے لاک کرنے کے بعد اس نے اپنے آپ کو بیڈ پر گرا دیا۔ وہ کچھ سوچنا نہیں چاہتی تھی لیکن آپ ہی آپ ساری باتیں ذہن کے دریچوں پر دستک دینے لگیں۔ اسے یاد آیا، جب پہلی بار شہروز نے اپنا نام بتایا تھا تو وہ کس طرح چونکی تھی۔ یوں جیسے اسے پہلے بھی کہیں دیکھا ہے اور اگر دیکھا نہیں تو سنا ضرور ہے اور اُس وقت اسے یاد نہیں آیا تھا کہ اُس نے اُسے کہاں سنا ہے۔ اب ہر بات ذہن میں واضح ہو رہی تھی۔

یہاں آنے سے پہلے جب ممی نے اسے ڈیڈی کے پاس بھیجا تھا تو ایک شام اس نے فون ریسیو کیا تھا۔ کسی نے اُس کی آواز سنتے ہی کہا تھا۔

"میں شہروز جنجوعہ ہوں۔ پلیز، ذرا آنٹی زہرا کو بلا دیں۔" وہ ہولڈ کرنے کا کہہ کر آنٹی کو بلانے چلی گئی تھی۔

اس کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ کبھی یہ نام اس کے لیے اتنا اہم ہو جائے گا۔ لیکن ممی.....! اس نے کروٹ بدلتے ہوئے سوچا۔ کیا وہ چاہیں گی کہ میں ان کی سوکن جسے وہ ڈائن کہہ کر مخاطب کرتی ہیں۔ ان کے بھتیجے سے رشتہ داریاں جوڑوں۔ کبھی نہیں۔

اور کیا میں ممی کو ناراض کر سکوں گی.....؟ وہ اپنے آپ کو ٹٹولنے لگی۔ اپنی ممی کو جنہوں نے میری خاطر زندگی کے پل صراط پر تنہا سفر کیا، اب بھی انہوں نے میرے مستقبل کو

درخشاں دیکھنے کی خاطر میری جدائی برداشت کی..... تو کیا میں.....۔

''نہیں.....'' اور اس نہیں کے بعد آنسوؤں کی برسات تھی۔ جس میں وہ لمحہ بہ لمحہ بھیگتی رہی تھی۔

صبح اسے یونیورسٹی جانا تھا لیکن رات بھر وہ جس طرح اپنے آپ سے لڑتی رہی تھی اور اس کے بعد شہروز سے کبھی نہ ملنے کے فیصلے نے اسے اُٹھنے کے قابل ہی نہیں چھوڑا تھا۔ جس وقت ندا اور عائشہ اس کے کمرے میں آئیں۔ وہ آنکھیں بند کیے لیٹی تھی۔

''ہیں تم ابھی تک سو رہی ہو، یونیورسٹی نہیں جانا؟'' ندا کے پوچھنے پر اس نے پلکوں کے در کھول دیے۔ اس کی..... سرخ آنکھیں دیکھ کر وہ دونوں گھبرا گئیں۔

''تمہیں کیا ہوا؟'' اس نے دوبارہ آنکھیں بند کرلیں۔

''خولہ! تمہیں شاید بخار ہو رہا ہے۔ ٹھہرو، میں تمہارے لیے چائے اور کوئی ٹیبلٹ لے کر آتی ہوں۔''

''رہنے دو۔'' وہ فوراً بول پڑی۔ ''میں خود ہی لے لوں گی تم دونوں جاؤ، دیر ہو رہی ہے۔''

''تمہیں اس حال میں چھوڑ کر؟''

''کچھ نہیں ہوا مجھے تم جاؤ۔'' اس کے چیخنے پر وہ دونوں حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگیں۔ پھر ندا کندھے اچکاتی ہوئی کہنے لگی۔

''جا رہے ہیں۔ دروازہ اندر سے لاکر کرلو اور اگر قریب المرگ ہو جاؤ تو سامنے سے شہروز کو پکار لینا۔'' پھر جاتے جاتے دروازے میں رک کر کہنے لگی۔

''ویسے میں شہروز سے کہتی جاؤں گی کہ تمہارا خیال رکھے۔''

''خبردار کسی سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ بمشکل اُٹھ کر ان کے ساتھ باہر تک آئی اور ان کے جاتے ہی دروازہ لاک کر کے اندر آکر اپنے لیے چائے بنانے لگی۔

ہلکا پھلکا ناشتا کرنے کے بعد اس نے چائے کے ساتھ سر درد اور بخار کی ٹیبلٹ لی اور دوبارہ آکر لیٹ گئی۔ رات کو نیند پوری نہ ہونے کی وجہ سے پلکیں بوجھل ہو رہی تھیں۔ اس نے آنکھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے اپنے ذہن سے ہر قسم کے خیال کو جھٹک ڈالا اور جلد ہی سو گئی۔

جانے کتنی دیر ہو گئی تھی اسے سوئے ہوئے، جب بیل کی آواز پر اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے گھڑی کی طرف دیکھا بارہ بج رہے تھے۔ ندا اور عائشہ کے آنے کا وقت نہیں تھا۔ وہ سمجھ گئی کہ شہروز ہوگا۔ وہ چپ چاپ لیٹی رہی۔ بیل وقفے وقفے سے بج رہی تھی۔ اس کا دل بے ایمان ہونے لگا۔ رات کیے گئے فیصلے میں دراڑیں پڑنے لگیں تو اس نے پورا سر تکیے میں چھپالیا۔ اس کے بعد بھی کافی دیر تک بیل بجتی رہی تھی۔ پھر شاید وہ مایوس ہو گیا تھا۔

پھر شام میں عائشہ اور ندا کے آنے پر ہی اس نے دروازہ کھولا تھا۔ لیکن ان دونوں کے ساتھ اسے دیکھ کر وہ فوراً اپنے کمرے میں آگئی۔

''تمہاری طبیعت کیسی ہے؟'' ندا اس کے پیچھے آتی ہوئی بولی۔

''ٹھیک ہوں۔''

''تم شاید سارا دن سوتی رہی ہو۔ شہروز بتا رہا تھا۔ اس نے کئی بار بیل بجائی تھی لیکن تم نے دروازہ نہیں کھولا۔'' اس کا دل چاہا کہ کہہ دے کہ اب وہ اس کے لیے کبھی دروازہ نہیں کھولے گی۔ لیکن وہ خاموش رہی۔

''تمہیں اچانک کیا ہو گیا ہے؟ کیا تمہارے ڈیڈی نے کوئی ایسی بات''

''میرے ڈیڈی کیوں کوئی ایسی بات کہیں گے۔'' وہ فوراً بول پڑی۔

''پھر.....؟''

''پھر یہ کہ میرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔''

''وہ تو شروع سے ہے۔ تمہیں اب پتا چلا۔'' ندا کا خیال تھا، وہ ہنس پڑے گی لیکن وہ اسی طرح کھڑی رہی۔

''خولہ!'' عائشہ اندر آتے ہوئے بولی۔ ''شہروز تم سے ملنا چاہتا ہے۔''

''لیکن میں اس سے ملنا نہیں چاہتی۔''

''خولہ.....!'' ندا کی حیرت کی پروا نہ کرتے ہوئے وہ بولی۔

''اس سے کہہ دو کہ وہ یہاں سے چلا جائے۔''

''چلا جاؤں گا لیکن تم سے بات کرنے کے بعد۔'' وہ خود ہی اندر چلا آیا اور اسے دیکھتے ہی وہ پیٹھ موڑ کر کھڑی ہو گئی۔

ندا سمجھ گئی کہ دونوں کے درمیان کوئی بات ہو گئی ہے۔ اس لیے عائشہ کو اشارہ کرتی

ہوئی اس کے کمرے سے نکل گئی۔

''خولہ!'' وہ قدم بڑھا کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ ''تمہارا گریز اگر اس وجہ سے ہے کہ میں آنٹی زہرا کا رشتہ دار ہوں تو.....''

''شہروز پلیز، آپ چلے جائیں یہاں سے۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر بول پڑی۔

''پہلے میرا جرم بتاؤ۔''

''میں کچھ نہیں جانتی۔''

''سنو، اپنے آپ کو دھوکا مت دو۔ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے بغیر کچھ بھی نہیں۔''

''یہ آپ سے کس نے کہا؟'' وہ استہزائیہ ہنسی۔

''نہ صرف میرے دل نے بلکہ تمہارے ہر انداز نے لاکھ انکار کرو، لیکن اس حقیقت کو نہیں جھٹلا سکو گی۔''

''میرے نزدیک حقیقت صرف یہ ہے شہروز جنجوعہ کو میری ممی کبھی نہیں چاہیں گی کہ میں آپ سے کوئی ناتا جوڑوں اور میں اپنی ممی کو کبھی ناراض نہیں کر سکتی۔''

''میں کب کہتا ہوں کہ تم انہیں ناراض کرو۔''

''پھر.....؟''

''تم انہیں سمجھا سکتی ہو۔ قائل کر سکتی ہو۔''

''نہیں، مجھ میں حوصلہ نہیں ہے۔''

''تو پھر مجھے اجازت دو کہ میں ان سے بات کروں۔''

''نہیں..... کیا کہیں گی ممی کہ میں یہاں پڑھنے آئی ہوں یا.....'' اس نے اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا۔

''دیکھو خولہ! یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس کے لیے تم اتنی پریشان ہو رہی ہو۔''

''میں کچھ نہیں جانتی، بس آپ یہاں سے چلے جائیں۔''

''کیا یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے؟''

''ہاں.....''

وہ کچھ دیر تک کھڑا اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھتا رہا۔ پھر کہنے لگا۔

''میں جا رہا ہوں لیکن جانے سے پہلے اتنا ضرور کہوں گا کہ تمہاری ہتھیلی پر لکھا میرا نام تو مٹ جائے گا لیکن دل کی تختی پر لکھا کبھی نہ مٹا سکو گی۔''

اس کے ساتھ ہی وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس کے کمرے سے نکل گیا۔

☆☆☆

بہت سارے دن گزر گئے۔ اس نے اپنے آپ کو کتابوں میں گم کر دیا۔ ویسے بھی نئے سال کے ساتھ ان کی پڑھائی پہلے سے مشکل ہو گئی تھی کہ اب ہر لیکچر انہیں پریکٹیکلی سمجھایا جاتا تھا۔ سارا دن مریضوں کے درمیان رہ کر وہ کسی دوسرے خیال کو اپنے پاس نہیں آنے دیتی تھی۔ لیکن رات کو جب وہ سونے کے لیے لیٹتی تو کچھ وقت اس کا ذہن ضرور بھٹک جاتا تھا اور اس رات وہ بہت دیر تک جاگتی رہی تھی۔ کیونکہ یونیورسٹی سے واپسی پر ندا نے اسے بتایا تھا کہ شہروز صبح کی فلائٹ سے واپس جا رہا ہے۔ اس کا دل چاہا تھا ندا سے پوچھے کہ وہ اسپیشلائزیشن کے لیے نہیں رکے گا؟ لیکن اس نے کچھ بھی نہیں پوچھا۔ اور چپ چاپ اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔

اور اب اس وقت سے وہ اپنے آپ سے ایک ہی سوال کر رہی تھی۔

''کیا وہ مجھ سے مل کر جائے گا۔ یا مجھے اس کے پاس جانا چاہیے؟'' بہت دیر تک وہ اپنے آپ کو الجھتی رہی اور جب اس نے سونے کے لیے اپنے ذہن سے ہر خیال کو جھٹکا، اس وقت وہ اپنے بارے میں کوئی بھی فیصلہ کرنے میں ناکام رہی تھی۔

صبح چھٹی ہونے کے باوجود وہ اپنے معمول کے مطابق اٹھی۔ لیونگ روم سے آتی ندا کی آواز سے وہ سمجھ گئی کہ وہ دونوں شہروز کی وجہ سے جلدی اٹھ گئی ہیں۔ اس نے اٹھنے کا ارادہ ملتوی کر کے کروٹ بدل لی۔ کچھ دیر بعد ہی ندا اس کے کمرے میں جھانک کر کہنے لگی۔

''سنو خولہ! ہم شہروز کو سی آف کرنے ایئر پورٹ تک جا رہے ہیں۔'' وہ کچھ نہیں بولی۔

''کیا تم اسے دروازے سے بھی خدا حافظ نہیں کہو گی۔'' وہ پھر بھی خاموش رہی۔

''میں نہیں جانتی تھی کہ تم اتنی انتہا پسند ہو۔'' ندا بڑبڑاتی ہوئی چلی گئی تو وہ رخساروں پر چھلک آنے والے آنسوؤں کو ہتھیلی سے رگڑنے لگی۔

ان دونوں کی واپسی دوپہر تک ہوئی۔ اس وقت تک وہ خاصی نارمل ہو چکی تھی۔

''بڑی بے مروت ہو۔'' ندا اسے دیکھتے ہی کہنے لگی۔ ''بے چارا اتنا اداس ہو رہا تھا۔''

''تم نے اس کے آنسو نہیں پونچھے؟'' وہ محض یہ پوز کرنے کی خاطر کہ اسے اس کے جانے کا ذرا بھی ملال نہیں ہے خوش دلی سے بولی۔

''پونچھے تھے میں نے اور عائشہ نے مل کر، لیکن تمہارے کبھی نہیں پونچھیں گے۔''

''میرا آنسو بہانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔''

''یہ تو وقت بتائے گا جب بلا ارادہ ہی چھلک پڑا کریں گے۔''

اس کے دل میں ٹیسیں سی اٹھنے لگیں۔ ایسا لگا اگر مزید اس موضوع پر بات کی تو آنسو چھلکنے میں دیر نہیں لگے گی۔ اس لیے موضوع بدلتی ہوئی بولی۔

''مجھے بھوک نہیں ہے۔'' ندا اپنے کمرے میں چلی گئی تو وہ عائشہ کی طرف دیکھنے لگی۔

''خولہ! شہروز بہت اچھا ہے۔''

''تمہیں بھی ندا نے سبق پڑھا دیا ہے۔''

''نہیں۔ وہ واقعی اچھا ہے۔''

''مجھے اس کی اچھائی سے انکار نہیں ہے عائشہ۔ لیکن.....'' اس نے رک کر لمحہ بھر اس کی طرف دیکھا پھر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

☆☆☆

زندگی کو معمول پر آنے میں کچھ وقت تو لگا، پھر بھی وہ کافی حد تک سنبھل گئی تھی۔ ندا البتہ اب بھی کبھی اسے لیکچر دینے سے باز نہیں آتی تھیں اور جس روز اس سے شہروز کے بارے میں بات کرتی اس دن اور اس سے گلے کئی دن تک وہ خاصی اَپ سیٹ رہا کرتی تھی۔ وہ چاہتی تھی ندا اس سے ایسی کوئی بات نہ کرے لیکن ندا نے پتا نہیں دل میں کیا ٹھان رکھی تھی کہ وہ اکثر اسے چھیڑ جاتی تھی۔

چھٹی کے دن وہ تینوں لیونگ روم میں بیٹھی کارڈز کھیل رہی تھیں جب ندا بولی۔

''کل شہروز کا خط آیا تھا۔'' اس نے کوئی نوٹس نہیں لیا۔

''تمہیں بھی سلام لکھا ہے اس نے۔'' اب وہ براہ راست اس سے مخاطب تھی۔

وہ پھر بھی خاموش رہی۔

''کیا میں جواب میں تمہارا سلام لکھ دوں.....؟''

''ندا! ان باتوں سے تمہارا کیا مقصد ہے؟'' وہ کارڈز پھینکتے ہوئے قدرے خفگی سے پوچھنے لگی۔

''تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میرا کیا مقصد.....'' وہ اطمینان سے بولی۔

''سنو ندا! مجھے قائل کرنے کی تمہاری کوشش فضول ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تم اپنے بارے میں سوچو۔''

''کیا مطلب؟''

''وہ تمہیں بھی تو اچھا لگتا تھا۔''

''خولہ.....!'' اُسے جیسے شاک سا لگا۔ وہ کتنی دیر تک بے یقینی سے اُس کی طرف دیکھتی رہی۔ غیر ارادی طور پر سر کو نفی میں ہلاتے ہوئے اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ خولہ سے کیا کہے۔

''مجھے تم سے اتنی چھوٹی بات کی توقع نہیں تھی خولہ! میری طرف سے تم دونوں جہنم میں جاؤ.....'' وہ اٹھی اور پیر پٹختی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ خولہ نے عائشہ کی طرف دیکھا۔ وہ بھی اسے ملامت سے دیکھ رہی تھی۔ تب اُسے احساس ہوا کہ وہ کچھ غلط کہہ گئی ہے اور غلطی کا احساس ہوتے ہی وہ فوراً اُٹھ کر ندا کے پیچھے چل پڑی۔

''آئی ایم سوری ندا.....!'' وہ اُس کے پیچھے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔

''مجھ سے بات مت کرو۔'' وہ خاصی خفا تھی۔

''مجھ سے غلطی ہو گئی پلیز، معاف کر دو۔'' وہ باقاعدہ ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہو گئی۔

''تم نے یہ بات کہی کیسے؟''

''بلا ارادہ ہی میرے منہ سے نکل گیا تھا۔ میرا یقین کرو۔''

''آئندہ ایسی بات نہیں کرو گی۔''

''کبھی نہیں اور پلیز تم میرے سامنے اس کا ذکر مت کیا کرو۔''

''کیا واقعی، تم اس سے سب ناتے توڑ چکی ہو۔''

''میں اُس سے ناتا توڑنے پر مجبور ہوں ندا! تم میری مجبوری سمجھنے کی کوشش کرو۔''

''میں جانتی ہوں۔ شہروز نے مجھے ساری بات بتادی تھی۔''

''پھر تم کیوں مجھے تنگ کرتی ہو۔ میں جب اُسے بھولنے میں کامیاب ہونے لگتی ہوں۔ تم اُس کا ذکر چھیڑ دیتی ہو۔''

''اوکے! آئندہ میں اُس کے حوالے سے کوئی بات نہیں کروں گی۔''

''شکریہ لیکن یہ بتاؤ کہ تم نے مجھے معاف کیا یا نہیں؟''

''کردیا۔'' ندا کا انداز ایسا تھا، جیسے احسان کررہی ہو۔'' وہ ہنس پڑی۔

''چلو، تمہیں زبردست قسم کی چائے پلواؤں۔''

''ہے تو یہ سراسر رشوت لیکن تم اصرار کررہی ہو تو انکار نہیں کروں گی۔'' دونوں ہنستی ہوئی کمرے سے نکلیں تو عائشہ انہیں دیکھ کر شرارت سے کہنے لگی۔

''میں تو فرسٹ ایڈ کا انتظام کرکے بیٹھی تھی۔ خیال تھا کہ کسی ایک کا سر ضرور ٹوٹے گا۔''

''سنبھال رکھو کسی وقت بھی کام آسکتا ہے۔'' ندا اُس کے پاس جا بیٹھی جبکہ وہ چائے بنانے کے لیے کچن میں چلی گئی۔

ندا نے اپنے وعدے کے مطابق پھر کبھی اُس کے سامنے شہروز کا ذکر نہیں کیا۔ گوکہ شہروز کے خط اُس کے اور عائشہ کے نام آتے تھے لیکن وہ اُسے نہیں بتاتی تھیں۔ وہ اُس طرف سے مطمئن ہوئی تو اُس کے پاس ممی کا خط آگیا۔ انہوں نے لکھا تھا۔ کہ تمہارے ڈیڈی تمہارے لیے شہروز کا پروپوزل لے کر آئے تھے میں نے انکار کیا تو کہنے لگے۔ تم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہو۔ مجھے بتاؤ بیٹا کہ اس بات میں کتنی صداقت ہے۔''

پہلے وہ حیران ہوئی کہ ڈیڈی کو کیسے پتا چلا، پھر اُس کے سامنے ممی کو مطمئن کرنے کا مسئلہ تھا۔ گوکہ اس نے فوری جواب دیتے ہوئے ممی کو لکھا دیا تھا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے پھر بھی وہ جانتی تھی کہ ممی کسی بات پر اتنی آسانی سے یقین نہیں کرتیں۔ وہ اکثر یہ سوچ کر پریشان ہوجاتی کہ ممی کو کیسے یقین دلائے گی۔ اور اُن دنوں تو ندا اور عائشہ کی حرکات بھی کچھ مشکوک قسم کی تھیں۔ وہ دونوں اکثر سر جھوڑ کر پتا نہیں کیا باتیں کیا کرتیں اور جیسے وہ آتی وہ فوراً سیدھی بیٹھتی ہوئی اپنا موضوع بدل لیتی تھیں۔ وہ اُن دونوں کی سرگرمیاں جاننا چاہتی تھی

لیکن کوشش کے باوجود نہیں جان پارہی تھی۔ ایک دن تو وہ اُن دونوں سے اُلجھ پڑی۔

''تم دونوں میرے خلاف کیا سازش کرتی رہتی ہو۔''

''ہمیں کیا ضرورت ہے، تمہارے خلاف سازش کرنے کی۔''

''پھر ایسی کون سی بات ہے جو مجھ سے چھپا رہی ہو۔''

''گویا آپ کو اندازہ ہوگیا ہے۔'' ندا اُس کا مذاق اُڑاتے ہوئے بولی۔ ''ورنہ ہم تو یہ سمجھے تھے کہ آپ وہاں میں، جہاں سے آپ کو اپنی خبر بھی نہیں آتی۔''

''جی نہیں، اب اتنی بے خبر بھی نہیں ہوں میں۔ بہت دنوں سے تم دونوں کی حرکات نوٹ کررہی ہوں جو کہ خاصی مشکوک ہیں۔ مجھے بتاؤ کیا بات ہے۔''

''وقت آنے پر بتائیں گے۔''

''نہیں ابھی بتاؤ۔'' وہ اصرار کرنے لگی۔

''زیادہ نہیں بس دو چار دن صبر کرو۔ پھر ساری بات بتادیں گے۔ ویسے اتنا یقین رکھو، اس بات کا تم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''سچ کہہ رہی ہو۔''

''بالکل سچ۔'' ندا نے اُسے یقین دلایا تھا لیکن وہ پھر بھی مطمئن نہیں تھی۔ اور اس روز یونیورسٹی سے واپسی پر انہوں نے حسب سابق اندر داخل ہونے سے پہلے لیٹر بکس میں جھانک کر دیکھا تو انہیں دو تین لفافے ایک ساتھ نظر آئے۔ ندا نے فوراً انہیں اپنے قبضے میں کیا اور اندر داخل ہوتے ہی دیکھنے لگی۔ ایک خط خولہ کے نام تھا جو اُس نے اُس کے حوالے کردیا اور باقی دونوں لفافے لے کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

اور ابھی وہ لباس تبدیل کرنے کے بعد ممی کا خط پڑھنے بیٹھی ہی تھی کہ ندا کے کمرے سے اُس کی اتنے زور سے چیخنے کی آواز آئی کہ وہ گھبرا کر ننگے پاؤں اُس کی طرف بھاگی۔ اُس کے کمرے میں داخل ہوئی تو سامنے کا منظر ہی عجیب تھا۔ ندا عائشہ کو بازوؤں سے پکڑے گول گول چکر دیتے ہوئے منہ سے..... عجیب وغریب آوازیں نکال رہی تھی۔

''کیا ہوگیا تم دونوں کو؟'' وہ چلا کر پوچھنے لگی۔

''شادیٔ مرگ۔'' اُسے جواب دے کر ندا پھر عائشہ کو چکر دینے لگی۔

''ندا! مجھے اب سچ مچ تمہاری دماغی حالت پر شبہ ہونے لگا ہے۔'' ندا نے عائشہ کو بیڈ

پر گرایا اور اس کی طرف پلٹتی ہوئی بولی۔

''ارے بات ہی ایسی ہے سنو گی تو تمہارا دماغی توازن بھی بگڑ جائے گا۔''

''بتاؤ تو.....''

''اپنی عائشہ ٹھکانے لگی۔''

''کیا مطلب؟''

''آرام سے بیٹھ جاؤ، پھر مطلب سمجھاتی ہوں۔'' وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے عائشہ کے پاس بیٹھ گئی تب ندا کہنے لگی۔

''میں نے عائشہ کے بارے میں اپنے گھر والوں کو لکھا تھا۔ اس پر میری ممی نے لکھا ہے کہ میں واپسی پر اسے اپنے ساتھ لیتی آؤں اور یہی نہیں بلکہ انہوں نے اسے اپنی بہو بنانے کا فیصلہ بھی کر لیا ہے۔''

''واقعی!'' بات ہی ایسی تھی کہ وہ بھی خوشی سے چلا پڑی۔

''دیکھنا، کہیں تمہارا دماغی توازن نہ بگڑ جائے۔''

''ارے! تم نے خبر ہی ایسی سنائی ہے اور اس وقت میں شدید تھکن کے باوجود کوئی سوئیٹ ڈش بنانے جا رہی ہوں۔''

''واہ تم نے تو میرے دل کی کہہ دی لیکن پہلے عائشہ سے پوچھ لو کہ یہ کیا کھانا پسند کرے گی۔''

''کیوں عائشہ؟'' وہ دونوں جیسے ہی عائشہ کی طرف متوجہ ہوئیں تو اُسے دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ اُس کے گلابی رخسار سرخی مائل ہو گئے تھے۔ گھنی پلکوں کے پہرے میں فیلوں آنکھوں میں اچانک سنہرے سجیلے سپنوں کی بارات اُتر آئی تھی۔

''ہم نے کہا تھا ناں عائشہ! کہ ہم صرف تعبیر دیں گے۔ خواب تم خود سجاؤ گی۔''

ندا اُس کے پاس بیٹھتے ہوئے بہت محبت سے بولی۔ ''اور سنو میری جان! ان خواب جزیروں پر اس یقین کے ساتھ سفر کرنا کہ جس کے حوالے سے تم یہ خواب سجا رہی ہو، وہ کبھی تم سے غافل نہیں ہوگا۔ تمہارے انتظار میں ایک ایک پل گنتا ہوگا۔''

ایک مدھر مسکراہٹ نے آپ ہی آپ اُس کے ہونٹوں کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔

☆☆☆

وقت اپنی مخصوص رفتار سے چلتا رہا۔ اب پُرسکون ندی کی مانند ایک ٹھہراؤ آ گیا تھا۔ اب اُن کا آخری سال تھا۔ منزل قریب تھی اس لیے ان کی لگن اور جستجو میں بھی اضافہ ہو گیا تھا اور گھر جانے کی بھی جلدی تھی۔ اجنبی دیس میں جہاں اتنا عرصہ گزارا وہاں اب ایک ایک پل کاٹنا دشوار لگ رہا تھا۔ وہ تینوں اب جب اکٹھی بیٹھتیں گھر جانے کی باتیں کرتیں۔

اور پھر جس روز وہ اپنے آخری امتحانوں سے فارغ ہوئیں انہوں نے واپسی کی تیاری شروع کر دی۔ عائشہ کا خیال تھا۔ اُسے جانے سے پہلے اپنی ممی سے مل کر انہیں بتا دینا چاہیے کہ وہ ہمیشہ کے لیے یہاں سے جا رہی ہے۔ اُن دونوں نے اُس سے اتفاق کیا تو وہ اپنی ممی سے ملنے نیو یارک چلی گئی۔ وہ دو دن بعد واپس آنے کا کہہ کر گئی تھی انہوں نے اس حساب سے اپنی سیٹیں ریزرو کروالیں۔ پھر عائشہ کے آنے تک انہوں نے اپنے اپنے گھر والوں کے لیے گفٹ خریدے اور پیکنگ شروع کر دی۔ جس وقت عائشہ آئی وہ جانے کے لیے تیار تھیں۔

''ارے تم دونوں نے میرا سامان بھی پیک کر دیا۔''

''اگر تمہارے انتظار میں بیٹھے رہتے تو مزید دو دن رُکنا پڑتا جبکہ ہمارے لیے مزید ایک پل بھی یہاں رُکنا دشوار ہے۔'' ندا نے وضاحت کی۔

''بڑی بے مروت ہو، ان چار سالوں میں تمہیں یہاں سے کوئی انسیت نہیں ہوئی۔''

''تم ہی نے کہا تھا کہ اپنا مقصد حاصل کرو اور گھر کی راہ لو.....''

''کہا تو تھا لیکن۔''

''بس اب لیکن کی گنجائش نہیں ہے۔'' خولہ نے اُسے ٹوک دیا۔ ''تم یہ بتاؤ تمہاری ممی نے کیا کہا.....؟''

''پہلے خفا ہوئیں پھر مان گئیں۔'' وہ مسکرائی۔

''چلو، یہ اچھا ہوا اور اب میرا خیال ہے، اپنی مدد آپ کے تحت اپنا سامان اُٹھاؤ اور چل پڑو۔'' میں ٹیکسی کے لیے فون کر آئی تھی۔ آنے والی ہوگی۔ اور اُس کے آنے تک ہمیں نیچے موجود ہونا چاہیے۔''

''ہاں چلو۔'' تینوں اپنا اپنا سامان اٹھا کر چل پڑیں۔

ندا کی منزل کراچی تھی جبکہ اُسے لاہور جانا تھا۔ اُس کا خیال تھا۔ کراچی میں اُسے ریسور کرنے ڈیڈی آئیں گے پھر وہ اُن کے ساتھ لاہور جائے گی لیکن کراچی میں ڈیڈی کی جگہ ممی کو دیکھ کر وہ حیران ہونے کے ساتھ بے طرح خوش ہوئی۔ کتنی دیر وہ اُن سے لپٹی اُن کے وجود کی مہک سے اپنے آپ کو سیراب کرتی رہی تھی۔ اُس کے آنسو بے اختیار بہنے لگے تھے اور ممی بڑے حوصلے سے اس کی پیٹھ تھپکتی ہوئی اسے پُرسکون ہونے کی تاکید کر رہی تھیں۔ کافی دیر بعد وہ اُن سے الگ ہوتی ہوئی کہنے لگی۔

''میرے گمان میں بھی نہیں تھا ممی کہ آپ یہاں موجود ہوں گی۔''

''تمہارا باپ کسی ضروری کام سے اسلام آباد جا رہا تھا۔'' ممی کا لہجہ ویسا ہی تھا۔ ''اُس نے مجھے فون پر کہا کہ میں تمہیں لینے یہاں آجاؤں۔''

''آپ نے بہت اچھا کیا۔'' پھر اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ ''آیئے میں آپ کو ندا سے ملواؤں۔''

وہ ممی کو لے کر ندا کے پاس آگئی جو اپنے گھر والوں کے درمیان خاصی چہک رہی تھی۔ اور عائشہ جس کے چہرے کو الوہی کرنیں چھو رہی تھیں کچھ سمٹی سمٹی سی کھڑے تھی۔ ندا نے اپنے گھر والوں سے اس کا تعارف کروایا۔ اس کی ممی بھی ندا اور اس کے گھر والوں سے بہت اچھی طرح ملیں۔

اُن کی لاہور کی فلائیٹ دو گھنٹے بعد جانی تھی۔ ندا کا کہنا تھا کہ وہ وقت کے لیے اُن کے ساتھ چلیں لیکن اتنا وقت نہیں تھا اس لیے ممی نے سہولت سے منع کر دیا۔ یوں کچھ وقت وہیں کھڑے رہنے کے بعد جب ندا اور عائشہ اُس سے رخصت ہونے لگیں تو ندا بار بار اُسے عائشہ کی شادی میں شریک ہونے کی تاکید کرتی رہی، اُس نے بھی وعدہ کر لیا تھا۔

جس وقت وہ ممی کے ساتھ اپنے گھر میں داخل ہوئی۔ اس کی عجیب کیفیت تھی۔ اتنا عرصہ وہ اس گھر سے دور رہی تھی تو اسے اس گھر کی اہمیت کا احساس ہو رہا تھا۔ ہر چیز اُسی طرح موجود تھی جس طرح وہ چھوڑ کر گئی تھی۔ وہ ہر قدم پر رُک کر ایک ایک چیز کو چھو کر کہنے لگی۔

''ممی! یہ وال کلاک ابھی تک چل رہا ہے۔ ممی یہ پردے بھی وہی ہیں۔ ممی لگتا ہے

آپ کو میری الماری کھولنے کی ضرورت پیش ہی نہیں آتی تھی۔'' اور ممی اُس کی باتوں پر مسکراتی رہیں۔

''چلو، اب تم نہا دھو کر کچھ دیر آرام کر لو، میں جب تک تمہارے لیے کھانا بناتی ہوں۔''

''آپ کیوں تکلیف کریں گی، کھانا میں خود پکاؤں گی۔'' وہ فوراً بول پڑی۔

''نہیں بیٹا! تم اتنی دور سے آئی ہو۔''

''آپ بھی تو میرے ساتھ آئی ہیں۔''

''تم سمجھی نہیں۔ میرا مطلب ہے کہ تم اتنے عرصے کے بعد آئی ہو۔''

''کوئی بات نہیں۔'' وہ انہیں کندھوں سے پکڑ کر بیڈ پر بٹھاتے ہوئے بولی۔ ''آپ آرام سے بیٹھیں، کھانا میں ہی پکاؤں گی۔''

پھر وہ کچن میں آگئی۔ اُس ذرا بھی نہیں لگ رہا تھا کہ وہ بہت دنوں کے بعد یہاں آئی ہے۔ ہر چیز اُسی طرح اپنی جگہ موجود تھی کہ وہ آنکھ بند کر کے بھی اُٹھا سکتی تھی۔

پکانے سے فارغ ہوئی تو نہانے چلی گئی۔ اُس کے بعد اُس نے ممی کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔ پھر اُس کی آنکھوں میں نیند اُترانے لگی۔

''اب تم سو جاؤ۔'' ممی پیار سے اُس کی ٹھوڑی چھو کر کہنے لگیں۔ ''جب شام میں اُٹھو گی تو میں تمہاری کامیابی پر تمہیں ایک خوبصورت سا گفٹ دوں گی۔''

''کیا دیں گی؟'' وہ اشتیاق سے پوچھنے لگی۔

''ابھی نہیں بتاؤں گی، شام میں خود ہی دیکھ لینا۔'' وہ مسکراتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی۔

وہ شاید بہت دنوں کے بعد گہری اور پُرسکون نیند سوئی تھی کہ شام گہری ہو کر سیاہی میں ڈھلنے لگی۔ تب بھی اُس کی آنکھ نہیں کھلی۔ وہ تو ممی نے آ کر زبردستی اُسے اٹھایا۔

''بیٹا! کیا رات میں نہیں سونا۔'' وہ شیشے سے باہر دیکھتی ہوئے کہنے لگی۔

''رات تو ہو رہی ہے۔''

''تم دوپہر سے سو رہی ہو۔''

''ارے.....'' وہ ایک دم اُٹھ بیٹھی۔ ''آپ مجھے پہلے اُٹھا دیتیں۔''

''بہت مرتبہ تمہارے کمرے میں آئی۔ تمہیں اُٹھانے کی کوشش بھی کی لیکن تم اٹھیں ہی نہیں۔''

''سوری ممی!''

''کوئی بات نہیں اب اُٹھ کر منہ ہاتھ دھولو میں تمہارے لیے چائے لے کر آتی ہوں۔'' ممی چلی گئیں تو وہ بھی مسہری سے اُتر آئی۔

منہ ہاتھ دھونے کے بعد اُس نے بالوں میں برش کیا اور کمرے سے نکل آئی۔ ممی چائے لے کر آرہی تھیں۔ وہ اُن کے ہاتھ سے مگ لے کر ٹی وی الاؤنج ہی میں بیٹھ گئی۔ کچھ دیر بعد ممی اس کے پاس آکر کہنے لگیں۔

''بیٹا! اس وقت مسز ہمدانی نے مجھے بلایا تھا لیکن تم سو رہی تھیں اس لیے میں نہیں جا سکی۔ اب ذرا میں اُن کی بات سُن آؤں۔''

''جی ممی!''

''آؤ، تم دروازہ بند کرلو۔ میں بس ابھی آجاؤں گی۔''

وہ اُٹھ کر اُن کے ساتھ چل پڑی۔ ممی کے جانے کے بعد اُس نے دروازہ اندر سے بند کرلیا اور واپس آکر ابھی بیٹھنا ہی چاہتی تھی کہ کال بیل بجنے لگی۔ اُس کا خیال تھا۔ ممی ہی ہوں گی جنہیں اچانک کوئی بات یاد آگئی ہوگی۔ اس نے جلدی سے آکر وہ کسی حد تک کامیاب ہو چکی تھی۔

''آپ!'' اُس کے ہونٹوں نے بے آواز جنبش کی۔

''اندر آنے کو نہیں کہو گی۔''

ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اُس نے ہمیشہ والا جملہ دہرایا لیکن اُس نے ہمیشہ کی طرح فوراً دروازے سے ہٹ کر اسے اندر آنے کا راستہ نہیں دیا بلکہ دروازے پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے بولی۔

''نہیں۔''

اُس کی آنکھوں کی مخصوص چمک ایک دم ہی ماند پڑ گئی اور وہ خاموشی سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

''آپ کو یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔''

''کیوں؟''

''ممی پتا نہیں کیا سوچیں اور ہوسکتا ہے، وہ خفا بھی ہوں۔''

''لیکن میں خود سے تو نہیں آیا۔''

''پھر.....؟''

''کیا یہیں کھڑے کھڑے بتادوں۔'' وہ تذبذب میں پڑ گئی۔

''خولہ.....!'' وہ اُسے دیکھتا ہوا اندر آگیا۔

''شہروز پلیز، چلے جاؤ۔'' وہ ملتجی لہجے میں بولی تو اُس نے پلٹ کر اُس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیے۔

''سُنو، مجھے تمہاری ممی نے بھیجا ہے۔''

''کیا.....؟'' وہ اچھل پڑی۔ ''یہ کیسے ممکن ہے۔''

''ناممکن بھی نہیں ہے۔''

''لیکن کیسے.....؟''

''میں نہیں جانتا۔'' وہ انجان بن گیا۔ ''ابھی جب میں آرہا تھا تو تمہاری ممی سے ملاقات ہوئی انہوں نے مجھ سے کہا تم اُوپر چل کر میرا انتظار کرو، میں ابھی آرہی ہوں اور۔''

''اور کیا؟'' وہ بے تابی سے پوچھنے لگی۔

''اور انہوں نے یہ پرچہ دیا ہے کہ تمہیں دے دوں۔'' اُس نے جیب سے تہہ شدہ کاغذ نکال کر اُس کے ہاتھ میں دے دیا۔ وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے اُس کی طرف دیکھنے لگی۔

''پہلے اسے تو دیکھ لو۔'' اس نے کاغذ کی طرف اشارہ کیا تو وہ پہلے چونکی پھر اُس کی طرف سے پیٹھ موڑ کر تہہ شدہ کاغذ کھول کر دیکھنے لگی۔ ہیڈ رائیٹنگ ممی کی تھی۔ لکھا تھا۔

تمہاری کامیابی پر میری طرف سے تحفہ شہروز جنجوعہ کی صورت۔ کہو کیسا ہے؟

وہ ایک دم پلٹ کر حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی تو وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر قدرے جھکتے ہوئے کہنے لگا۔

''خاکسار کو شہروز جنجوعہ کہتے ہیں۔''

''میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا۔''

''کیا سمجھنا چاہتی ہو.....؟''

''پتا نہیں۔'' وہ اُلجھتی ہوئی اسے وہیں کھڑا چھوڑ کر جیسے ہی اندر جانے لگی۔ اُس نے بڑھ کر اُس کا راستہ روک لیا۔

''سنو، یہ سب ندا اور عائشہ کا کمال ہے۔''

''لیکن وہ تو کہہ رہی تھیں کہ میرے خلاف کوئی سازش نہیں کر رہی۔''

''تم اسے سازش کہتی ہو۔''

''پھر اور کیا کہوں؟''

''عجیب لڑکی ہو، ایک تو انہوں نے اتنی مشکل سے تمہاری ممی کو یہ یقین دلایا کہ تم میرے بغیر مری جا رہی ہو۔''

''کیا.....؟'' وہ چیخ پڑی۔ ''انہوں نے یہ سب لکھا تھا ممی کو۔''

''میرا خیال ہے۔'' وہ شرارت سے ہنسا۔

''اس کا مطلب ہے، تم بھی اُن کے ساتھ اس سازش میں شریک رہے ہو۔''

''بخدا نہیں۔''

''جھوٹ کہتے ہو تم۔'' وہ چیخ پڑی۔ ''تم سب نے مجھے ممی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔''

''لیکن خولہ!''

''میں تمہاری کوئی بات نہیں سنوں گی، تم چلے جاؤ یہاں سے۔'' وہ اپنے آپ میں نہیں رہی تھی۔ اُسے دروازے کی طرف دھکیلنے لگی تو اُس نے اس کے ہاتھ پکڑ لیے۔

''تم غلط سمجھ رہی ہو، پہلے میری بات سنو۔''

''میں نے کہا ناں مجھ کچھ نہیں سننا۔ تم جھوٹے سازشی جاتے کیوں نہیں۔''

''خولہ.....!'' ممی اندر آتے ہوئے اس سے کہنے لگیں۔ ''گھر آئے مہمان کے ساتھ یہ کیسا سلوک کر رہی ہو۔''

''ممی!'' وہ اُس کی گرفت سے اپنے ہاتھ چھڑا کر ممی کے کندھے سے جا لگی۔ ''ممی! ندا اور عائشہ نے آپ کو جھوٹ لکھا تھا میں بالکل بھی اس کے لیے نہیں مری جا رہی تھی میرا یقین کریں ممی۔''

''کیا کہہ رہی ہو بیٹا؟'' ممی متعجب تھیں۔ ''ندا اور عائشہ نے تو مجھے ایسی کوئی بات نہیں

لکھی، بلکہ ان دونوں نے سرے سے مجھے خط لکھا ہی نہیں۔''

''ہیں!'' اب حیران ہونے کی باری اس کی تھی۔

''تم شاید اس بات پر حیران ہو رہی ہو کہ میں نے شہروز کا پروپوزل کیونکر منظور کیا؟'' وہ خاموشی سے ان کی طرف دیکھنے لگی۔

''تمہارے ڈیڈی نے مجھے بتایا تھا کہ تم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہو۔''

''لیکن میں نے اس بات سے انکار کیا تھا۔'' وہ فوراً بول پڑی۔

''ہاں، شاید تم نے میری خاطر انکار کیا تھا۔''

وہ سٹپٹا گئی۔

''بیٹا اگر تم اس وقت بھی مجھے حقیقت لکھ دیتیں تو میں کبھی انکار نہ کرتی کیونکہ مجھے تمہاری خوشی ہر حال میں عزیز ہے۔''

''ممی۔'' وہ اُن سے نظریں چُراتے ہوئے بولی۔ ''ڈیڈی نے آپ سے کیا کہا تھا؟'' اُس کی بات پر وہ ہلکے سے مسکرائیں پھر کہنے لگیں۔

''کچھ نہیں، صرف اتنا بتایا تھا کہ انہوں نے تمہاری ہتھیلی پر حنا سے لکھا شہروز کا نام خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور تمہارا باپ کچھ بھی سہی، جھوٹ کبھی نہیں بولتا، اتنا مجھے یقین ہے۔''

وہ گھبرا کر شہروز کی طرف دیکھنے لگی تو اس نے شرارت سے نچلا ہونٹ دانتوں میں دباتے ہوئے ایک آنکھ بند کر لی۔

''میرے خدا یہ سب کیا ہو رہا ہے۔'' ممی کے کندھے پر پیشانی ٹکاتے ہوئے اُس نے سوچا۔

''چلو اگر تم دونوں کے درمیان کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے تو اُسے دور کر لو، میں جب تک کھانا نکالتی ہوں۔'' ممی اُس کا گال تھپکتی ہوئی کچن کی طرف چلی گئیں تو وہ ایکدم بہت زیادہ نروس ہو گئی۔

''خولہ!'' وہ قدم بڑھا کر اُس کے سامنے آ گیا۔ ''مجھے شروع ہی سے حنا کی مہک سے عشق رہا ہے۔ اور تمہاری ہتھیلی پر اپنا نام سجاتے ہوئے میرے گمان میں بھی نہیں تھا کہ حنا میری محبتوں کا قرض یوں چکائے گی۔'' وہ چپ رہی۔

''سنو، وقت کی گرد نے تمہاری ہتھیلی پر لکھا میرا نام ضرور مٹا دیا ہوگا لیکن مجھے یقین ہے کہ حنا کی مہک اَب بھی نہ صرف تمہاری ہتھیلی میں بلکہ تمہاری سانسوں میں بھی رچی بسی ہوگی۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔''

''نہیں۔'' وہ گنگنائی اور اپنی ہتھیلی اس کے سامنے کر دی جسے اپنے ہاتھوں کے پیالے میں لیتے ہوئے اس نے اپنے ہونٹوں سے چھو لیا اور اس کی ہتھیلی میں رچی بسی حنا کی مہک اُسے بے خود کر گئی۔

☆☆☆